ندوۃ العلماء
محرک و بانی؟

مصنفہ

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری
ایم۔اے، ایل ایل۔بی، پی ایچ۔ڈی

مولوی نجیب اصغر فتحپوری
سابق ممبر مجلس انتظامیہ مسلم انٹر کالج فتحپور

ندوۃ العلماء محرک و بانی۔ مصنفہ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری و مولوی نجیب اصغر فتحپوری

ندوۃ العلماء

محرک و بانی؟

مصنف

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری
ایم اے؛ ایل ایل۔ بی؛ پی ایچ۔ ڈی
ریڈر و صدر شعبۂ اردو
مہاتما گاندھی پوسٹ گریجویٹ کالج
فتحپور (یو۔ پی)

مولوی نجیب اصغر فتحپوری
سابق ممبر مجلس انتظامیہ
مسلم انٹر کالج فتحپور (یو۔ پی)
ساکن ۲۹ محلہ سید واڑہ
فتحپور (یو۔ پی)

۲۱۲۶۰۱

نام کتاب ــــــــــــ ندوۃ العلماء : محرک و بانی ؟

نام مصنفین ــــــــــــ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری و مولوی نجیب اصغر فتحپوری

نام خوشنویس ــــــــــــ عبدالاحد خاں مشعلی ٹولہ سیتاپور روڈ لکھنؤ

نام مطبع ــــــــــــ خواجہ پریس جامع مسجد، دہلی ۶

سنہ اشاعت ــــــــــــ سنہ ۱۹۹۶ء

تعداد اشاعت ــــــــــــ چھ سو (۶۰۰)

قیمت ــــــــــــ چالیس روپے

تقسیم کار ــــــــــــ جبلی بک ڈپو، پریڈ کانپور

ناشرین

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری | مولوی نجیب اصغر فتحپوری

انتسابؔ

محقق انیق و ناقد بے نظیر و استاد مظلوم
حضرت مولانا مولوی حافظ قاری محمود علی صاحب شاہجہاں پوری
رحمۃ اللہ علیہ کے نام جو دقیقہ سنجی و نکتہ دانی میں اپنی مثال آپ تھے۔

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد
و
مولوی نجیب اصغر

فہرست مشمولات

کتاب سے پیشتر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً علی رسولہ الکریم۔ اما بعد

یہ بھی تاریخ کی کیسی ستم ظریفی ہے کہ ندوۃ العلماء کے قیام پر ابھی صرف ایک صدی کا عرصہ گذرا ہے اور اس مختصر مدت میں اسکے قیام، اسکی ابتدائی تاریخ اور اس کے اصل محرک و بانی پر اتنے دبیز پردے پڑ گئے کہ کتابوں اور رسالوں میں ایک دوسرے کے متضاد و متخالف بیانات آنے لگے۔ ندوۃ العلماء کا قیام کب عمل میں آیا؟ یہ تحریک کس کے ذہن کی پیداوار ہے؟ اس تحریک کا اولین اظہار کس نے، کب کیسے اور کہاں کیا؟ اس کا بانی کون ہے؟ اسکے اغراض و مقاصد کیا تھے؟ مدرسہ ندوۃ العلماء کب قائم ہوا وغیرہ وغیرہ سوالات اپنے تشفی بخش جوابات کے لئے بے چین ہیں۔

ایم۔ عقیل صاحب لکھتے ہیں: "بعض ہوشمند، دوراندیش اور وسیع النظر علماء نے ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۴ء میں ندوۃ العلماء کے نام سے ایک انجمن قائم کی۔ اس کا مقصد عربی مدارس کا فروغ، اشاعت اسلام مختلف الخیال علماء کا رفع نزع باہمی، سماجی اصلاح اور قوم کا مجموعی مفاد تھا۔"[1]

جناب محمد جاوید خالد رقم طراز ہیں کہ "۱۸۹۴ء میں جب ندوۃ العلماء کا قیام عمل میں آیا، تو مولانا (مولانا شبلی) ذہنی طور پر اس سے زیادہ قریب تھے اور خوشی محسوس کرتے تھے۔"[2]

ڈاکٹر سید اعجاز حسین تحریر کرتے ہیں کہ:

---

[1] تحریک آزادی میں اردو کا حصہ۔ معین الدین عقیل صفحہ ۳۱۵ مطبوعہ کراچی

[2] تاریخ ساز جوانیاں: محمد جاوید خالد صفحہ ۶۵

ہے کہ یہ مدرسہ ۱۸۹۴ء میں اس غرض سے قائم کیا گیا تھا کہ نصاب تعلیم
کی اصلاح ہو، علوم دین کی ترقی، علماء کے باہمی نزاع کا انسداد، عام مسلمانوں
کی بہبود و فلاح کی تدبیریں سوچی جائیں۔[1]"

شاہ معین الدین احمد ندوی نے "حیات سلیمان" کے عنوانِ ذیلی "پٹنہ میں ندوۃ العلماء
کا سالانہ اجلاس" کے تحت اپنے فقرہ "اس زمانہ میں مجلس ندوۃ العلماء کی تحریک شباب پر تھی"
پر حاشیہ لگاتے ہوئے ندوہ کی مختصر تاریخ لکھی ہے۔ موصوف ندوۃ العلماء کی مختصر تاریخ نویسی
کے مابین رقم طراز ہیں:

"۱۸۹۲ء میں مدرسہ فیض عام کانپور کی دستار بندی کے موقع پر جبکہ
ہندوستان کے چوٹی کے علماء کا اجتماع تھا ان حالات پر غور کرنے اور ان کی
اصلاح کے لئے ندوۃ العلماء کے نام سے ایک مجلس قائم ہوئی اور مولانا محمد علی
مونگیری اس کے ناظم مقرر ہوئے اور ۱۸۹۴ء میں مدرسہ فیض عام ہی میں اس مجلس کا
پہلا جلسہ ہوا۔ اس جلسہ میں باقاعدہ مجلس ندوۃ العلماء کا آئین مرتب کیا گیا ندوۃ العلماء کا
تخیل اور اسکی تحریک مولانا شبلی کے دل کی آواز تھی اسلئے وہ اسمیں بہت پیش پیش ہوگئے۔[2]"

مولانا سید محمد الحسنی صاحب اپنی تصنیف "سیرت مولانا محمد علی مونگیری۔ بانی ندوہ" مطبوعہ ۱۹۶۴ء
میں ایک مقام پر یوں گرم سخن ہیں:

"ندوۃ العلماء کا تخیل سب سے پہلے کس کے ذہن میں آیا، اس کے متعلق سب سے
مستند قول مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی کا ہے۔ وہ مولانا محمد علی مونگیری کے

---

[1] مختصر تاریخ ادب اردو ترمیم شدہ ڈاکٹر سید اعجاز حسین صفحہ ۳۲۹ مرتبہ ڈاکٹر سید محمد عقیل جاوید پبلشرس
نشیمن منٹو روڈ الہ آباد

[2] حیات سلیمان:۔ شاہ معین الدین احمد ندوی صفحہ ۸ حاشیہ لہ بر صفحات ۱۰/۱۱

صاحب زادے مولانا لطف اللہ مرحوم کو ایک خط میں لکھتے ہیں ... "ندوۃ العلماء کے قیام کا اولاً موصوف کے دماغ میں خیال پیدا ہوا تھا جس پر سارے ملک نے لبیک کہا آج اس کے آثار ملک و ملت کے سامنے ہیں۔[۱]"

جبکہ ان سب سے پیشتر مولوی عبدالرزاق کانپوری (جو مولانا حکیم سید محمد ظہور الاسلام صاحب فتحپوری و مولانا سید محمد علی کانپوری دونوں کے شاگرد ہیں اور جن کو انجمن ندوۃ العلماء (مذہبی انجمن) کے انعقاد سے متعلق پہلا رزولیشن مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے جلسہ مشاورت منعقدہ ۲۶ دسمبر ۱۸۹۱ء میں بمقام علی گڈھ پیش کرنے کا افتخار حاصل ہے اور جو ندوۃ العلماء کی ۱۸۹۲ء کے اوائل میں تشکیل شدہ آٹھ رکنی مشاورتی کمیٹی میں بحیثیت آنریری ممبر و روداد نگار شامل ہیں) اپنی تخلیق "یاد ایام" مطبوعہ ۱۹۴۶ء میں "تاسیس ندوۃ العلماء کی مختصر تاریخ" کے اس افتتاحی جملہ کے بعد کہ "روداد ندوۃ العلماء میں ہنوز یہ نہیں لکھا گیا ہے کہ اس اسلامی انجمن کا بانی کون ہے اور یہ خیال کس دماغ کا رہین منت ہے۔ لہٰذا میں اس کی مختصر تاریخ لکھتا ہوں کہ صفحات تاریخ میں درج رہے۔[۲]"

قیام ندوہ اور ندوہ کے محرک و بانی کے بابت تمام بنیادی باتیں اپنے مشاہدات کے حوالے سے لکھ چکے تھے۔ مولوی صاحب نے اس ذیلی عنوان کے تحت ندوۃ العلماء کی ابتدائی شکل کا بڑا جاندار نقشہ کھینچا ہے جس کی رو سے اس کے بانی و محرک صرف اور صرف مولانا حکیم سید ظہور الاسلام صاحب فتحپوری قرار پاتے ہیں۔ ندوہ کے محرک و بانی کی بابت یہ سب سے پہلی معلومات تھی جو کسی شریک واقعہ کے قلم سے صفحات قرطاس پر ثبت کی گئی لیکن اسکے باوجود محرک و بانی ندوہ کے مطلع کو اس قدر شفق زدہ، پر غبار، اور ابر آلود بنا دیا گیا ہے کہ محرک و بانی کا ہلال عام نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ مولوی عبدالرزاق کانپوری کے نام کو قعر گمنامی میں پہونچانے کی کوشش کی گئی اور نتیجتہً یہ اہم نام مع اپنی گرانمایہ

[۱] سیرت مولانا سید محمد علی مونگیری۔ بانی ندوہ صفحہ ۱۱۷

[۲] "یاد ایام" مصنفہ مولوی عبدالرزاق کانپوری صفحہ ۱۰۲

تخلیق عوام تو عوام خواص کی نظروں سے بھی مخفی ہو گیا۔

۱۸۹۴ء میں نیا دور لکھنؤ کا دو جلدوں اور ایک ضمیمہ پر مشتمل اودھ نمبر شائع ہوا ہے۔ اسمیں محترم المقام نذر الحفیظ ازہری استاد عربی ادب دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا ایک مضمون "ندوۃ العلماء کا تاریخی پس منظر" کے عنوان سے شامل ہے۔ اس مضمون میں کئی اغلاط در آئے ہیں مثلاً ۱۳۰۲ھ کا عیسوی سنہ مطابقت ۱۸۹۲ء لکھنا۔ ۱۲ محرم ۱۳۱۱ھ کو شہر بریلی میں ندوہ کا اجلاس کرا دینا۔ ۱۶ شوال ۱۳۱۱ھ کا عیسوی سنہ مطابقت ۱۰ مارچ ۱۸۹۸ء لکھنا وغیرہ۔

اسی مضمون میں محترم نذر الحفیظ صاحب لکھتے ہیں کہ:

"تحریک ندوۃ العلماء بانی ندوۃ العلماء مولانا سید محمد علی مونگیری اور ان کے عالی ہمت رفقاء کی قیادت میں جوں جوں آگے بڑھتی رہی اس نے اپنے دائرہ کار اور بنیادی مقاصد میں اضافہ کیا[۵]"

اغلاط سنین کی وجہ سے ایسا بھی ہوا ہے۔ کہ ایک مؤرخ کی رو سے ایک اہم شخصیت اللہ کو پیاری ہو گئی اور دوسرے مؤرخ نے اسی شخصیت کو بعد از وصال ندوۃ العلماء کے کسی اجلاس میں شریک جلسہ بتلا دیا صرف ایک مثال ملاحظہ ہو۔

مولانا سید محمد الحسنی اپنی کتاب "سیرت مولانا سید محمد علی مونگیری بانی ندوہ" کے صفحہ ۲۰۰ میں رقم طراز ہیں:

"دوسرے صاحبزادے مولانا لطف اللہ صاحب ہیں۔ یہ بھی صلاح و تقویٰ اور فہم و فراست دونوں میں بہت ممتاز تھے۔ مولانا نے خلافت بھی عطا فرمائی ۱۳۴۲ھ میں وفات پائی۔"

---

۵ ندوۃ العلماء کا تاریخی پس منظر۔ نذر الحفیظ ندوی ازہری مضمون مشمولہ نیا دور اودھ نمبر جلد دوم صفحہ ۱۱۳

جب کہ مولانا شمس تبریز خاں صاحب نے تاریخ ندوہ حصہ دوم کے صفحہ ۲۸۸ میں اہم شرکائے اجلاس نوزدہم ندوۃ العلماء لکھنؤ منعقدہ ۱۲، ۱۳، ۱۴ شعبان ۱۳۴۳ھ مطابق ۸، ۹، ۱۰ مارچ ۱۹۲۵ء بمقام لکھنؤ کے اسمائے گرامی قلم بند کرتے وقت چوتھے نمبر پر مولانا لطف اللہ صاحب پسر مولانا سید محمد علی کا اسم گرامی درج کیا ہے۔ اسیطرح مولوی شمس تبریز خاں صاحب نے اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۳۴۸ میں اہم شرکائے اجلاس بست ویکم ندوۃ العلماء منعقدہ نومبر ۱۹۲۶ء کے ذیل میں دسویں نمبر پر مولانا لطف اللہ صاحب کا نام اسیطرح رقم فرمایا ہے۔

"جناب مولانا سید محمد لطف اللہ صاحب مونگیری خلف حضرت مولانا سید محمد علی بانی ندوۃ العلماء ۔"

واضح ہو کہ مولوی شمس تبریز خاں نے اسی کتاب کے صفحہ ۳۴۱ میں اس اجلاس کے انعقاد کا مقام کانپور اور اس کے انعقاد کی تاریخیں ۲۸، ۲۹، ۳۰ ربیع الاخر ۱۳۴۵ھ مطابق ۵، ۶، ۷ نومبر ۱۹۲۶ء بتلائی ہیں۔

ظاہر ہے کہ ایک شخص ۱۳۴۲ھ میں فوت ہو جانے کے بعد ۱۳۴۳ھ اور ۱۳۴۵ھ کے اجلاسوں میں شرکت کرنے کے لئے اس عالم آب و گل میں جسد اور روح دونوں کے اجتماع کے ساتھ ہندوستان کے شہر لکھنؤ اور کانپور میں نہیں آسکتا۔ اور اگر یہ بات درست ہے کہ مولانا لطف اللہ متذکرہ بالا دونوں اجلاسوں میں واقعتاً شریک تھے تو مولانا سید محمد الحسنی صاحب کا یہ قول کہ ان (مولانا لطف اللہ) کا وصال ۱۳۴۲ھ میں ہوا قطعی طور پر نادرست ہے۔

مذکورۃ السبق کتابوں نیز اسی قبیل کی دوسری کتابوں کو پڑھ کر راقمین نے شدت کیساتھ ضرورت محسوس کی کہ ندوۃ العلماء پر چند صفحات حوالہ قرطاس کئے جائیں جن میں ندوۃ العلماء کی ابتدائی تاریخ اسطرح رقم کی جائے کہ اس میں کسی قسم کے تعصب یا عقیدت کی کارفرمائی نہو بلکہ اس میں جو کچھ کہا

جائے واقعات کی صداقت کو مطمع نظر رکھ کر کہا جائے اور واقعات وحقائق کو نتائج کے تابع کرنے کے بجائے نتائج کو واقعات وحقائق کے تابع رکھا جائے۔

اسی احساس کو عملی شکل دینے کے لئے راقمین کو متعدد کتب ورسائل کے اوراق پلٹنے پڑے ان کتابوں اور رسالوں کو روایت ودرایت کی کسوٹی پر پرکھنے کے لئے مزید بہت سی کتابوں اور رسالوں کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ راقمین کو متعدد کتابوں کے مندرجات کی سچائی کو جاننے کے لئے مختلف شہروں کے سفر کرنے پڑے۔ ندوۃ العلماء کی تاریخ نگاری کے سلسلہ کی کئی ادھوری کڑیوں کو مکمل کرنیکے لئے بیرون فتحپور جانا پڑا۔ اور معتبر وثقہ حضرات کو تلاش کر کے ان کے انٹرویو لینے پڑے ندوۃ العلماء کی ابتدائی آٹھ رکنی مشاورتی کمیٹی کے اہل بینش ارکان سے قارئین کو متعارف کرانے کے لئے کافی تگ ودو کرنی پڑی۔

اس سلسلہ میں راقمین عالی جناب شیخ مصباح الحق ایڈوکیٹ جنرل سکریٹری ـــــ فیض عام ایسوسی ایشن کانپور کے شکر گذار ہیں جنھوں نے اپنے قیمتی اوقات میں سے کافی گرانمایہ لمحات راقمین کو عطا کئے اور مختلف سوالوں کے جوابات عنایت فرمائے۔ راقمین جناب محمد شکیل صاحب ۳۹/۴۶ میدہ بازار مسٹن روڈ کانپور کے انسان دوستی کی قدر کرتے ہیں۔ موصوف جناب مصباح الحق صاحب ایڈوکیٹ کے ساتھ راقمین کو لیکر مسجد دلاری تشریف لے گئے۔ مسجد دلاری کے کتبہ کو دیکھنے سے پتہ چلا کہ اگر مولانا سید محمد الحسنی صاحب اس کتبہ کو خود ملاحظہ کرنے کی زحمت گوارہ فرماتے تو وہ اپنی مذکورہ بالا کتاب میں یہ نہ لکھتے کہ "یہ مسجد دلاری کے نام سے مشہور ہوئی"۔ مقامات کے مصنف نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"مسجد میں جو پتھر لگا ہے اس میں دین محمد کا نام ہے مگر شہرت اسکی بیوی کے نام سے ہے"[شہ]

کیونکہ کتبہ میں دلاری کا نام کندہ ہے، دین محمد خاں کا نام مستقل یا الذات نہیں ہے بلکہ یہ نام صرف دلاری کے

شہ ملاحظہ ہو نقل کتبہ مسجد دلاری منقولہ صفحہ ۱۰۱ مقالہ ہذا

شوہر کی حیثیت سے رقم ہے جس طرح اسی کتبہ میں غلام مصطفٰے قادری کا نام کندہ ہے لیکن یہ نام بھی ان کے مرشد کی حیثیت سے مندرج ہے [۹]

راقمین فتحپور کی محترمہ انوری بیگم دختر ڈپٹی عبدالغفور فتحپوری (جو کہ انجمن ندوۃ العلماء کی ۱۸۹۲ء کے اوائل میں تشکیل شدہ ابتدائی مشاورتی کمیٹی کے ایک رکن ہیں اور جن کے محل کو یہ فخر حاصل ہے کہ ۱۸۹۱ء میں انجمن ندوۃ العلماء کے تخیل کا مع اغراض و مقاصد اظہار اسی میں سب سے پہلے ہوا۔) اور جناب عبداللہ خاں (جو کہ ڈپٹی عبدالغفور کے برادر کلاں حافظ علی حسین خاں صاحب کے نواسہ ہیں) نیز کانپور کے عالی مرتبت حکیم خواجہ محمد زبیر صاحب ولد مولانا غلام حسین صاحب (شاگرد مولانا احمد حسن کانپوری معقولی) کا شکریہ ادا کرنا اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتے ہیں متذکرہ بالا سبھی حضرات نے راقمین کو برضا و رغبت اپنے انٹرویو دیئے اور راقمین کو اس بات کا پورا موقعہ دیا کہ وہ ان کے بیش بہا جوابات قلم بند کر سکیں۔ عالی جناب حکیم صاحب کی رہنمائی سے راقمین کو مولانا احمد حسن پنجابی معقولی کے مزار کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا۔

راقمین جناب الطاف حسین خانصاحب شروانی فتحپوری کے رہین منت ہیں جنھوں نے کئی وقیع مراجع کی نشاندہی کی اور علی گڈھ انسی ٹیوٹ گزٹ مورخہ ۲ اپریل ۱۸۹۴ء سے راقمین کو روشناس کرایا۔

راقمین کتب خانہ ندوۃ العلماء کے جملہ کارکنان کے متشکر و ممنون ہیں جنھوں نے بڑی خندہ پیشانی سے راقمین کو مطلوبہ مواد فراہم کیا۔

راقمین اردو تحقیق و تنقید کی مایۂ ناز ہستی عالی جناب ڈاکٹر مغیث الدین فریدی ریٹائرڈ ریڈر دلی یونیورسٹی دہلی کی شکر گذاری میں فخر و انبساط محسوس کرتے ہیں۔ موصوف مولانا احمد حسن معقولی کے حقیقی نواسہ ہیں۔ موصوف نے کئی گرانمایہ معلومات راقمین کو مرحمت فرمائیں۔

---

[۹] سیرت مولانا محمد علی مونگیری۔ بانی ندوۃ العلماء از مولانا سید محمد الحسنی صفحہ ۵

راقمین مولانا ظہور الاسلام صاحب کے نواسہ مولانا سید ابن حسن صاحب[۱] (علیگ) کے بھی ممنون ہیں۔ موصوف نے اس کتاب سے متعلق ہر سفر میں اپنی معیت سے نوازا ہے اور کتابت وطباعت کے مراحل میں بھی ساتھ رہے ہیں۔

محترم جناب رفیق احمد[۲] صاحب انگریزی لکچرر مسلم انٹر کالج فتحپور نے راقمین کو کئی مفید اور اہم کتابیں الہ آباد سے لاکر دیں راقمین موصوف کے بھی شکر گذار ہیں۔

راقمین نے اپنی اس تخلیق کا نام "ندوۃ العلماء بانی ومحرک" رکھا ہے۔ یہ کتاب معروض نظر پیش لفظ، تین ابواب، دو ضمیموں اور کتابیات پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں تحریک کی وضاحت کرتے ہوئے تحریک ندوۃ العلماء کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں اس سوال کا تشفی بخش جواب تلاش کیا گیا ہے کہ ندوۃ العلماء کا بانی ومحرک کون ہے؟ راقمین نے اس سلسلہ میں جو فیصلہ کیا ہے وہ خود مکتفی اور غیر جانبدار ہے۔ اس فیصلہ کے استنباط کے دوران دوسرے محققین کے نظریات سے بھی بحث کی گئی ہے اور ان کو بھی روایت ودرایت کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے۔

تیسرے باب میں ندوۃ العلماء کی مختصر تاریخ رقم کی گئی ہے اس باب میں ندوۃ العلماء کے ابتدائی دور ہی کی تاریخ بیانی میں اپنے آپ کو محدود رکھا گیا ہے کیونکہ سارے اختلافات وابہامات اور تلبیسات واشکالات اسی حصہ تاریخ میں وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ اس باب میں ندوۃ العلماء کے آغاز سے مولانا سید محمد علی کانپوری ثم مونگیری کے استعفیٰ تک کی تاریخ درج کی گئی ہے۔

پہلے ضمیمہ میں ۱۸۹۲ء میں تشکل شدہ آٹھ رکنی کمیٹی کے اراکین کا مختصر تعارف پیش کیا

---

[۱] مولانا ابن حسن صاحب علیگ۔ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کی فٹ بال اور ہاکی ٹیموں کے کیپٹن رہ چکے ہیں۔

[۲] موصوف ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری کے داماد ہیں "ملٹن کی شاعری کی بدلتی ہوئی توضیحات" کے موضوع پر ڈی۔ فل کی ڈگری کے لئے مقالہ لکھ رہے جو اس وقت زیر ترتیب ہے۔ راقمین

گیا ہے۔ دوسرے ضمیمہ میں ندوۃ العلماء کے ابتدائی دور سے متعلق چند اہم باتیں اور چند اہم ہجری سنین کی عیسوی سنین سے مطابقت درج کی گئی ہے تاکہ قاری کے سامنے ندوۃ العلماء کے ابتدائی دور کا تاریخی سلسلہ واضح اور روشن رہے اور وہ کسی قسم کے ابہام و اشکال کا شکار نہ ہو۔

اس کتاب کی تخلیق میں تحقیق کے جدید اصولوں کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ روایت پرستی سے قطعی طور پر اجتناب کیا گیا ہے اور غیر جانبدار طور طریقوں اور صحت مند اصولوں کو مشعل راہ بنایا گیا ہے۔ راقمین کو اس سلسلہ میں کہاں تک کامیابی ملی ہے اس کا فیصلہ بہت حد تک قارئین کی صوابدید پر منحصر ہے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

راقمین

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری و مولوی نجیب اصغر فتحپوری

۱۳ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ مطابق ۲ مئی ۱۹۹۶ء بروز پنجشنبہ

بوقت ۹ بجے شب

باب اوّل

"تحریکِ ندوۃ العلماء"

تغیر و تبدل سے انسانی ذہن میں میلانات پیدا ہوتے ہیں جو منفرد ہو کر موضوع اور خیال کی شکل اختیار کر لیتے ہیں میلانات اہم بھی ہوتے ہیں اور غیر اہم بھی، غیر اہم میلانات اپنی موت آپ مر جاتے ہیں۔ اہم خیال پھیل کر رجحان بنتا ہے اور جب کوئی اہم رجحان منظم ہو کر وجدانی شعور اور وقت کے تقاضوں کے ساتھ آگے بڑھتا ہے تو تحریک کہلاتا ہے۔ ہر تحریک اپنے دور کے مقتضیات اور مقاصد کے زیرنگیں ہوتی ہے۔

مغلیہ سلطنت کا زوال، انگریزوں کا تسلط، مشنریوں کے ذریعہ تبدیلیٔ مذاہب کی کوشش ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ہندوستانیوں کی شکست، انگریزوں کے بین المسلمین اور ہندو مسلم تفرقہ کے منصوبے، مسلمانوں کی تعلیمی و معاشی بدحالی وغیرہ ملکی تغیرات اور انگریزی زبان کے بین الاقوامی عروج اور حرم کعبہ میں اسکے دخول[1] کے باعث مولانا حکیم سید محمد ظہور الاسلام صاحب فتحپوری کے دور بین اور مستقبل اندیش ذہن میں یہ اہم خیال پیدا ہوا کہ مسلم قوم کی ہمہ جہتی ترقی اور اس کے دین و دنیا کی فلاح و بہبود کیلئے ضروری ہے کہ ایک ایسی جماعت کا قیام عمل میں

---

[1] اس فقرہ کیلئے مقالۂ ہٰذا کے صفحہ ۱۰۶ کی طرف رجوع کریں۔ راقمین

لایا جائے جو مسلم قوم کو "شئی واحد" بنا دے، جہاں مسلم علماء اور دانشور اپنے تمام نظریاتی اختلافات کے باوجود یک ذہن ہو کر مسلمانوں کی معاشی اور دینی و دنیاوی فلاح و بہبود کی بات کریں اور اس کام میں اپنے باہمی اختلافات کو سدراہ نہ بننے دیں۔ اور تحفظ اسلام اور قدیم مشرقی تعلیم کی اشاعت کے صالح منصوبے بنا کر ان کو عملی جامہ پہنائیں۔ اسی خیال نے ندوۃ العلماء کی تحریک کو جنم دیا۔

مولانا حکیم سید ظہور الاسلام صاحبؒ عصری مقتضیات پر گہری نظر رکھتے تھے وہ بخوبی جانتے تھے کہ اگر مذہبی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کا بند و بست نہ کیا گیا تو مسلمان قوم اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہ ہو سکے گی۔ خالقِ کائنات نے مسلم قوم کو یہ گرانبار امانت سونپی ہے کہ وہ عالم کی رہنمائی کرے، جس کے لئے کائنات اور ساکنین کائنات کا مطالعہ و مشاہدہ اور ان کا نفسیاتی و سائنسی تجزیہ ضروری ہے۔ زمانۂ ماسبق کے اکابر علماء دینی و دنیوی ہر دو علوم پر دسترس رکھتے تھے۔ دانشور اسی کو کہا جاتا ہے جو کسی ایک شعبہ سے مکمل آگاہی اور اس سے منسلکہ جملہ علوم و فنون سے معتدبہ واقفیت کے ساتھ حیاتِ انسانی کے تمام شعبوں کی کچھ نہ کچھ معلومات رکھتا ہو۔

فقہ اور اصول فقہ کی کتابوں میں اجتہاد کے جو شرائط درج کئے گئے ہیں ان سے بھی اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ مجتہد کے لئے عصری علوم کی واقفیت ضروری ہے۔ شرائط اجتہاد ملاحظہ ہوں:

(الف) عربی زبان سے متعلق علوم سے اس درجہ واقف ہونا کہ کسی بھی عربی کلام و عبارت کے معنی و مفہوم کو بخوبی سمجھا جا سکے۔

(ب) قرآن و حدیث سے متعلق و ماخوذ ان علوم سے واقف ہونا جن سے واقفیت کے بغیر ان کے معنی و مفہوم کو نہیں سمجھا جا سکتا۔

(ج) ان آیات و روایات کا علم جن میں احکام کا بیان ہے۔

(د) امت کے پہلے سے طے شدہ اجتماعی و اجتہادی مسائل کا علم۔

(ھ) اجتہاد کے اصول و قواعد، احکام شرع کے مصالح و مقاصد اور اپنے ماحول و معاشرہ اور زمانے کے حالات و ضروریات کا علم۔

(و) دلائل پر غور و فکر کر کے احکام کے استنباط کا ملکہ و صلاحیت جسے فقہ النفس کا عنوان دیا جاتا ہے۔[۲]

مولانا ظہور الاسلام صاحب نے ۱۸۹۰ء میں اپنے اس نظریہ کو عملی جامہ پہنائے ہوئے اپنے قائم کردہ ادارہ مدرسہ اسلامیہ فتحپور (جس کی بنیاد انھوں نے ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۳ء میں رکھی تھی) عربی تعلیم کے ساتھ انگریزی تعلیم کا بند و بست کر چکے تھے۔ آپ نے نومبر ۱۸۹۰ء میں مدرسہ کے اردو مڈل کو انگریزی مڈل میں بدل دیا تھا۔ آپ فتحپور کے مختلف المذاہب والمسالک لوگوں کو شیر و شکر کر چکے تھے۔ تحفظ دین اور اشاعت اسلام میں نمایاں کام انجام دے رہے تھے۔ آپ کی دلی خواہش تھی کہ آپ کا یہ طبعی میلان عوام کا رجحان بنکر ایک تحریک کی شکل اختیار کرلے تاکہ سارا ملک دینی و دنیوی تعلیم کا سنگم بن سکے، مختلف المسالک علماء مل جل کر اسلام کی اشاعت کا کام کریں اور پورا ملک بالخصوص سارا مسلم معاشرہ بین الاقوامی میدان میں احساس کمتری کا شکار نہ ہو۔ اس سلسلہ میں مولانا لوگوں کو اپنا ہم خیال بناتے رہے اور ہر مناسب موقعہ پر اس خیال کو عوام کی چیز بنانے کے لئے کاوشیں کرتے رہے۔ مولانا کا دسمبر ۱۸۹۱ء میں بعد نماز عصر مولوی عبد الرزاق کانپوری کو ساتھ

---

[۲] فواتح جلد ۲ صفحہ ۳۶۳، ۳۶۴، توضیح صفحہ ۶۰۴ مقدمہ عمدۃ الرعایہ ص ۹، اجتہاد ص ۱۴ تا ۱۷۔ اصول فقہ محمد عبد اللہ الاسعدی ص ۲۶۱ مکتبہ حرا پوسٹ بکس ۳۴، ۳۷ لکھنؤ۔

لیکر محلہ قضیانہ تشریف لے جانا اور مولوی عبدالغفور (ڈپٹی کلکٹر) کو اپنا ہم خیال بنانے کیلئے ان سے مشورہ کرنا اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ [۳۵]

مولانا نے ان ہی مولوی عبدالغفور (ڈپٹی کلکٹر) سے مشورہ کے بعد اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہناتے ہوئے اپنے ذہن میں موجود اس خاکہ کو مذہبی انجمن کا نام دیا اور اس کا صدر مقام کانپور طے کرکے اپنے شاگرد رشید مولوی عبدالرزاق کانپوری سے اواخر دسمبر ۱۸۹۱ء میں علی گڑھ میں ہونے والی ایجوکیشنل کانفرنس [۳۶] میں یہ تجویز رکھوائی کہ کانفرنس اپنے سالانہ جلسوں کے ساتھ اس مذہبی انجمن کے جلسے بھی منعقد کیا کرے۔ لیکن وہاں یہ رزولیشن ۲۶ دسمبر ۱۸۹۱ء کی شب کی مجلس مشاورت میں ساقط ہوگیا۔ مگر مولانا ہمت نہیں ہارے بلکہ صبر وضبط کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہے اور بالآخر مولوی عبدالغفور صاحب فتحپوری (ڈپٹی کلکٹر) کے پاس کانپور تشریف لے گئے۔ جہاں وہ ان دنوں بسلسلہ ملازمت تعینات تھے۔ مولانا نے وہاں غالباً جنوری ۱۸۹۲ء میں حسب ذیل علماء کی ایک مشاورتی کمیٹی بنائی۔

(۱) مولانا ظہور الاسلام فتحپوری (بانی مدرسہ اسلامیہ فتحپور وبانی و محرک انجمن ندوۃ العلماء)

(۲) مولانا نور محمد صاحب پنجابی (صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ فتحپور۔

(۳) منشی عبدالغفور فتحپوری (ڈپٹی کلکٹر کانپور)

(۴) مولوی عبدالرزاق کانپوری (سابق متعلم مدرسہ فیض عام کانپور۔ رُوداد نویس ومحاسب انجمن ندوۃ العلماء)

(۵) مولانا سید محمد علی کانپوری (مدرس حدیث مدرسہ فیض عام کانپور)

---

[۳۵] تفصیلی معلومات ملاحظہ ہو مقالہ ھذا کا ضمیمہ نمبر ا۔ [۳۶] مولانا سید سلیمان ندوی نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کو تعلیم یافتہ مسلمانوں کا واحد مجلسی مرکز بتلایا ہے۔ یادرفتگاں ص ۱۵۷

(۶) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی (سابق مدرس مدرسہ فیض عام کانپور و مدرس جامع العلوم پٹکاپور کانپور)

(۷) مولانا احمد حسن پنجابی معقولی (مدرس اول مدرسہ فیض عام کانپور و بانی مدرسہ احسن المدارس نئی سڑک کانپور و بانی دارالعلوم مسجد رنگیاں بکر منڈی کانپور)

(۸) مولانا حکیم فخرالحسن گنگوہی (کانپور میں مطب و درس حدیث جاری تھا)

اس مشاورتی کمیٹی پر طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس میں شامل سبھی حضرت مولانا کے متعلقین تھے۔ ممبران کمیٹی میں سے اول الذکر تین حضرات فتحپوری ہیں جو تھے مولانا کے شاگرد مولوی عبدالرزاق ہیں جو باپ کی طرف سے کانپوری اور ماں کی جانب سے فتحپوری ہیں اور بقیہ چار حضرات مولانا کے متعلقین و احباب ہیں۔ ان میں سے مولانا محمد علی کانپوری مولانا کے پیر بھائی اور ہم استاد ہیں۔ مولانا نے اس کام کے لئے کانپور کا انتخاب اس لئے فرمایا کیونکہ وہاں مدرسہ جامع العلوم اور مدرسہ فیض عام کی وجہ سے ملک کے مشاہیر علماء اور دانشوران قوم اکٹھا ہوتے رہتے تھے اور کئی چوٹی کے علماء وہاں ملازم بھی تھے۔ کانپور فتحپور سے نزدیک ہے اور ان دنوں وہاں کے ڈپٹی کلکٹر فتحپور کے محلہ قضیانہ کے رہنے والے ہی مولوی عبدالغفور تھے۔ مولانا حکیم سید محمد ظہورالاسلام صاحب فتحپوری کی کوششوں سے محولہ بالا مشاورتی کمیٹی کے ماہانہ جلسے کانپور میں پابندی سے ہونے لگے اور بالآخر مولانا موصوف نے موقع پاتے ہی مدرسہ فیض عام[۵] کانپور کے سالانہ جلسۂ دستاربندی منعقدہ ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء میں

---

۵ مدرسہ فیض عام کانپور کو مفتی عنایت احمد کاکوروی (استاد الاساتذہ مولانا لطف اللہ علی گڑھی و مصنف تواریخ حبیب الہ و علم الصیغہ) نے ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۱ء میں عالی مقام عبدالرحمٰن خاں مالک مطبع نظامی کی دعوت پر قائم کیا تھا۔ آپ مسلسل دو سال تک اس مدرسہ میں درس دیتے رہے۔ یہیں سے آپ حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے۔ جس جہاز میں آپ سوار تھے وہ ایک چٹان سے ٹکرا کر ڈوب گیا۔ آپ کا وصال جدہ کے قریب بحالت احرام

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

کانپور میں ہونا قرار پایا ہے جس میں ہندوستان کے نامور علمار
معجز بیان واعظ اور شیریں کلام شاعر تشریف لاکر حاضرین
کو اپنے کلام سے محظوظ فرمائیں گے۔ علاوہ دستار بندی کے ایک
جلسہ ندوۃ العلمار یعنی علمار کی کانفرنس کا بھی ہوگا جو اپنی قسم
کا ہندوستان کا پہلا جلسہ ہے۔ مہمانوں کے قیام، سواری،
طعام وغیرہ کا انتظام مدرسہ کی جانب سے ہوگا۔ لہذا عام
ہمدردان اسلام کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ اس جلسہ
میں رونق افروز ہوکر مدرسہ فیض عام کو ممنون فرمائیں اور نیاز مند
کو وقت تشریف آوری سے مطلع کریں تاکہ ان کے استقبال کا بندوبست
کیا جائے۔ مفصل کارروائی اور انتظامات کے کاغذات ملاحظہ
فرمانا ہو تو مشتہر سے طلب کر لئے جائیں۔ خادم الحفاظ الٰہی بخش
مہتمم فیض عام کانپور ————"

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ندوۃ العلماء کی بابت "یاد ایام" مصنفہ
مولوی عبدالرزاق کانپوری کا ایک اقتباس بعینہٖ نقل کر دیا جائے جو روایت و درایت کی کسوٹی پر
پورا اترتا ہے اور جسے تحریک و بنائے ندوہ کے سلسلہ میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔
اس بیان سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ اسکے واقعی محرک و بانی مولانا ظہور الاسلام
فتحپوری ہیں نیز اس بیان سے بانی ندوۃ العلماء کے مساعی جلیلہ پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

"تاسیس ندوۃ العلماء کی مختصر تاریخ"

روئداد ندوۃ العلماء میں ہنوز یہ نہیں لکھا گیا ہے کہ اس اسلامی انجمن کا بانی
کون ہے اور یہ خیال کس دماغ کا مرہون منت ہے۔ لہذا میں اسکی مختصر تاریخ لکھتا

مقدس و نامور علماء کے مابین اپنی تشکیل کردہ مشاورتی کمیٹی کے تعاون سے تین تجویزیں پاس کرائیں جن کی بنا پر

(۱) اس مذہبی انجمن کا نام ندوۃ العلماء رکھا گیا۔ لـه

(۲) اس کے ناظم اول مولانا محمد علی کانپوری مقرر کیے گئے۔

(۳) یہ طے ہوا کہ مدرسہ فیض عام کانپور کے آئندہ سال کے سالانہ جلسۂ دستار بندی کے موقع پر تمام ہندوستان کے علماء کو ندوۃ العلماء کے عام جلسہ میں شرکت کی دعوت دی جائے اور اخبارات میں مسلسل اشتہارات دیئے جائیں۔

چنانچہ تیسری تجویز کے بموجب ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس مدرسہ فیض عام کے جلسہ دستار بندی کے موقع پر ۲۲، ۲۳، ۲۴ اپریل ۱۸۹۴ء کو ہوا۔ مولانا اس اجلاس میں شرکت کے لئے فتحپور سے شہر کے ہمدردان قوم کی ایک جماعت اپنے ساتھ لے گئے۔ ندوۃ العلماء کے محولہ بالا پہلے اجلاس کا اشتہار علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ مورخہ ۳ اپریل ۱۸۹۴ء میں شائع ہوا تھا جو ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے۔

"۳ اپریل ۱۸۹۴ء علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ (اشتہار)

تاریخ ۲۲، ۲۳، ۲۴ اپریل ۱۸۹۴ء مدرسہ فیض عام کانپور کے ۱۴ فارغ التحصیل طلباء کی ادائے دستار بندی کا جلسہ واقع طلاق محل

لـه ۷ اپریل ۱۸۶۳ء کو ہوا۔ ماضی میں مدرسہ فیض عام کانپور کو کافی شہرت حاصل تھی۔ یہ مدرسہ ام المدارس کے نام سے مشہور تھا۔ ہندوستان کے ممتاز و نامور علماء اس مدرسہ میں درس دے چکے تھے۔ مفتی عنایت احمد کی ولادت دیوہ میں ۹ شوال ۱۲۲۸ھ مطابق ۵ اکتوبر ۱۸۱۳ء کو ہوئی۔ مفتی صاحب کی روانگی حج پر مولوی سید حسین شاہ صاحب کا تقرر مدرسہ فیض عام کی اول مدرسی پر اور مولوی لطف اللہ صاحب کا دوم مدرسی پر ہوا۔ زیادہ زمانہ نہ گذرا تھا کہ مولوی سید حسین شاہ صاحب بھوپال چلے گئے اور مولوی لطف اللہ صاحب مدرس اوّل ہو گئے اور اسی حیثیت سے آپ نے سات برس تک مدرسہ فیض عام میں درس دیا لـه پہلے اس مذہبی انجمن کا نام ندیۃ العلماء تھا لیکن چونکہ عدم تصغیر کی صورت میں اسکی صحت مشتبہ تھی اسلئے اسکو بدل کر ندوۃ العلماء کر دیا گیا۔ (روئداد ندوۃ العلماء

ہوں کہ صفحات تاریخ میں درج رہے ۔ ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء میں بمقام علی گڈھ کانفرنس کا اجلاس ہونے والا تھا چنانچہ دسمبر ۱۸۹۱ء میں مجھے فتحپور جانے کا اتفاق ہوا اور جناب استاذی حکیم مولوی ظہور الاسلام صاحب سے علی گڈھ کا ذکر آیا تو فرمایا کہ میں آج ہی صبح کو ڈپٹی عبدالغفور صاحب سے ایک اہم مسئلہ میں گفتگو کر رہا تھا بہتر ہوگا کہ اس معاملے میں ڈپٹی صاحب سے دوبارہ گفتگو کی جائے اور تم بھی میرے ہمراہ چلو۔ چنانچہ بعد نماز عصر ڈپٹی صاحب سے گفتگو ہوئی کہ:"

"مسلمانوں کی مذہبی اصلاح اور قدیم مشرقی تعلیم (درس نظامیہ) کی اشاعت اور تحفظ اسلام کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جائے اور مشاہیر علماء ہند کے مشورے سے بمقام کانپور یہ مذہبی انجمن قائم ہو۔ اگر فی الحال کانفرنس اپنے سالانہ جلسوں کے ساتھ اس انجمن کا بھی انعقاد کیا کرے تو مناسب ہوگا۔ لہذا ہونے والی کانفرنس میں ایک رزولیشن اس مضمون کا پیش کرو اگر کامیابی ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ دوسری کارروائی کی جائے گی۔"

چنانچہ راقم الحروف نے مندرجہ بالا مضمون کے مطابق ۲۶ دسمبر ۱۸۹۱ء کی شب میں اسٹنڈنگ کمیٹی (جلسہ مشاورت) میں رزولیوشن پیش کیا۔ چونکہ اس رزولیشن کو انگریزی تعلیم سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ مذہب اور مشرقی تعلیم پر زور دیا گیا تھا لہذا کمیٹی نے رزولیشن کو نامنظور کر دیا۔ ارکان پنجاب نے یہ بحث کی کہ رزولیشن جلسۂ عام میں پیش کیا جائے اگر بعد بحث خارج ہو جائے تو پھر اعتراض کا موقع نہ رہے گا مگر کثرت رائے اور سرسید کی مخالفت سے یہ رزولیشن خارج ہوگیا اور ۲۷ دسمبر ۱۸۹۱ء کو جلسۂ عام میں پیش نہ ہو سکا۔

واپسی علی گڈھ (جنوری ۱۸۹۲ء) پر مولانا کی خدمت میں خاکسار نے واقعات عرض کئے

فرمایا:

"خیر کچھ مضائقہ نہیں ہے اب دوسری کارروائی کی جائے گی۔"

چنانچہ ڈپٹی صاحب کے مکان پر جو کانپور میں تعینات تھے از سرِ نو مشورہ ہوا اور حسب ذیل علماء نے جو درس نظامیہ کے فاضل اور مدرسہ دیوبند و فیض عام کانپور سے تعلق رکھتے تھے ایک کمیٹی مشورہ کے لئے مقرر کی گئی۔

(۱) مولانا سید محمد علی کانپوری (ناظم اول ندوۃ العلماء)

(۲) مولانا اشرف علی تھانوی (مدرس مدرسۂ جامع العلوم کانپور)

(۳) مولانا حکیم فخر الحسن گنگوہی (کانپور میں مطب اور درس حدیث جاری تھا۔)

(۴) مولانا نور محمد پنجابی (مدرس مدرسہ اسلامیہ فتحپور۔)

(۵) مولانا احمد حسن پنجابی معقولی (سابق مدرس مدرسہ فیض عام کانپور)

(۶) مولانا حکیم ظہور الاسلام فتحپور (بانی مدرسہ اسلامیہ)

(۷) منشی عبد الغفور (ڈپٹی کلکٹر کانپور)

(۸) خاکسار راقم الحروف آنریری ممبر رو داد نگار

چنانچہ اس کمیٹی کے ماہانہ جلسے کانپور میں مسلسل دو سال تک ہوتے رہے اور جب ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس کانپور میں ہوا تو کمیٹی مذکور کی تجاویز سے جدید ارکان نے بہت نفع اٹھایا۔ یہ تھی ندوۃ العلماء کی مختصر تاریخ جو پیش کی جاتی ہے۔[۵]

مدرسہ فیض عام کانپور کے جلسہ دستار بندی منعقدہ ۲۲، ۲۳، ۲۴ اپریل ۱۸۹۴ء میں فتحپوریوں کی تعداد روداد جلسہ دستار بندی فیض عام کانپور کی متعدد فہرستوں کی رو سے حسب ذیل ہے:

---

۵ "یاد ایام" مولوی عبد الرزاق کانپوری صفحات ۱۰۲-۱۰۴

دستار بندی میں چندہ دہندگان فتحپور کی تعداد ——— ۲۴

مکانات کی تعمیر کے لئے فتحپوری چندہ دہندگان کی تعداد ——— ۱۱

علمائے فتحپور کی تعداد ——— ۱۸

فتحپوری رؤسائے عظام کی تعداد ——— ۵۲

اس جلسہ کی فہرست چندہ دہندگان میں سب سے بڑا چندہ فتحپور ہی کے ایک سپوت مولوی عبدالغفور صاحب کا ہے جو ان دنوں کانپور میں بہ حیثیت ڈپٹی کلکٹر تعینات تھے۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ انجمن ندوۃ العلماء کے پہلے اجلاس منعقدہ ۲۲، ۲۳، ۲۴ اپریل ۱۸۹۴ء میں مولانا ظہور الاسلام کے وطن فتحپور سے حسب ذیل سنتر اشخاص شریک ہوئے تھے اور انجمن کی ذیلی کمیٹیوں میں بھی فتحپور کے ذی اثر حضرات شامل تھے۔

(۱) مولوی حکیم محمد ظہور الاسلام صاحب بانیٔ مدرسہ اسلامیہ (۲) مولوی نور محمد صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ (۳) مولوی سید ابو سعید صاحب ایرایاں (۴) مولوی عبد الحکیم صاحب مدرس مدرسہ (۵) مولوی نیاز احمد صاحب ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول (۶) سید اعجاز حسین صاحب (۷) مولوی امانت علی صاحب (۸) منشی احسان علی صاحب طالب العلم گورنمنٹ ہائی اسکول (۹) شیخ احسن الزماں صاحب مختار (۱۰) شاہ آل احمد صاحب (۱۱) حافظ اللہ رکھو صاحب (۱۲) محمد ایوب حسن صاحب (۱۳) محمد ارادت حسین صاحب (۱۴) محمد اخلاق حسین صاحب (۱۵) منشی برکت علی صاحب اورسیر (۱۶) محمد بدر الحسن صاحب طالب العلم مدرسہ اسلامیہ (۱۷) محمد بدیع الزماں خانصاحب (۱۸) حافظ بشیر الدین صاحب (۱۹) محمد تفضل حسین خانصاحب رئیس مسی (۲۰) منشی تجمل حسین خانصاحب رئیس مسی (۲۱) منشی تصدق حسین خانصاحب (۲۲) میر ثروت حسین صاحب رئیس مسی (۲۳) محمد حسین بخش صاحب مولود خواں (۲۴) حافظ خدا بخش صاحب

طالب علم مدرسہ اسلامیہ (۲۵) ذاکر حسین صاحب طالب علم (۲۶) منشی زبردست خانصاحب رئیس مسی (۲۷) چودھری سید عالم صاحب رئیس ایرایاں (۲۸) محمد سمیع الدین صاحب طالب علم مدرسہ اسلامیہ (۲۹) محمد شریف صاحب (۳۰) مولوی شفیع الدین صاحب (۳۱) حافظ شمس الحق صاحب (۳۲) میر صادق حسین صاحب (۳۳) محمد عبد الرحمٰن صاحب فرزند میر احسن علی صاحب وکیل (۳۴) منشی علی حسین صاحب (۳۵) محمد عبد القیوم صاحب (۳۶) محمد عبد الرب صاحب (۳۷) محمد عبد الرب (ثانی) (۳۸) میر عاشق حسین صاحب (۳۹) شاہ عبد الباری صاحب (۴۰) علی مروان خانصاحب (۴۱) مولوی عبد الحمید صاحب (۴۲) منشی علی شیر خاں صاحب (۴۳) شیخ عبد الوہاب صاحب وکیل منصفی (۴۴) شیخ عماد الحسن صاحب وکیل (۴۵) مولوی عبد الحئی صاحب طالب العلم مدرسہ اسلامیہ (۴۶) ڈاکٹر عبد الغنی صاحب پولیس ہسپتال (۴۷) مولوی غلام حسین صاحب (۴۸) مولوی غلام معین الدین صاحب (۴۹) مولوی فخر الدین صاحب واصل باقی نویس عدالت کلکٹری (۵۰) فصیح الدین صاحب (۵۱) شاہ قدرت علی صاحب (۵۲) قیام الدین صاحب (۵۳) منشی محمد مظہر صاحب (۵۴) مزمل حسین صاحب طالب علم گورنمنٹ اسکول (۵۵) مولوی منظور الحسن صاحب بارٹر (۵۶) محمد حسن صاحب (۵۷) محی الدین خاں صاحب صاحب زادہ محمد علی خانصاحب (۵۸) شیخ محمد حسین صاحب (۵۹) مولوی محمد رضا صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ (۶۰) سراج الدین صاحب وکیل (۶۱) مولوی منیر الدین صاحب (۶۲) محمود احمد صاحب (۶۳) محمد ادریس صاحب (۶۴) محمد حسین صاحب انسپکٹر پنشن یافتہ (۶۵) محمد علی صاحب تعلقہ دار (۶۶) محمد اسحٰق صاحب طالب علم مدرسہ اسلامیہ (۶۷) محمد نصیر اللہ صاحب واصلباقی نویس (۶۸) نذیر محمد صاحب (۶۹) وارث حسین صاحب (۷۰) خلیفہ واحد علی صاحب[۵] رئیس ہسوہ۔

---

[۵] روئداد ندوۃ العلماء، حصہ اول میں ندوۃ العلماء کے پہلے اجلاس سے متعلق حضرات کے (باقی صفحہ ۲۸ پر)

اس فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کا اثر ضلع فتحپور میں کتنا گہرا تھا۔ اس میں فتحپور کے علماء، وکلاء، زمیندار، مختلف اہل فرقہ، رؤساء، طلباء، اساتذہ اور ہر مشرب و مسلک کے منتخب حضرات شامل تھے۔ آج سے تقریبًا ایک صدی پیشتر جبکہ سفر کے ذرائع اور ابلاغ کے وسائل کافی محدود تھے اور "السفر کا السقر" کا فقرہ بطور ضرب المثل مستعمل تھا۔ فتحپور جیسی پسماندہ بستی سے نشر ذی اثر حضرات کا قافلہ لے جانا مولانا کی ہر دلعزیزی کے ساتھ مولانا کی نظر میں ندوۃ العلماء کی اہمیت و افادیت اور اس سے ان کے دلی لگاؤ کو ظاہر کرتا ہے۔

اس جلسہ میں جن حضرات نے دستخط فرمائے ان کے اسمائے گرامی روداد سے ذیل

اسمائے گرامی پانچ فہرستوں میں تقسیم کیے گئے ہیں۔ پہلی فہرست میں ان علماء و معززین اہل اسلام کے اسماء گرامی مندرج ہیں جنھوں نے ندوۃ العلماء کی ضرورت پر اپنے دستخط ثبت فرمائے اور اس سے اتفاق ظاہر کیا۔ دوسری فہرست میں ان علماء کرام کے نام شمول ہیں جو شریک جلسہ تھے۔ تیسری فہرست میں ان علماء و معززین کے نام مرقوم ہیں جو دستور العمل بنانے میں شریک تھے۔ چوتھی فہرست میں بترتیب حروف تہجی ان معززین اہل اسلام کے نام رقم کیے گئے ہیں جو ہندوستان کے مختلف علاقوں سے تشریف لاکر شریک جلسہ ہوئے اور پانچویں فہرست میں ان بعض حضرات کے نام درج کیے گئے ہیں جو کسی عذر کی وجہ سے مجبورًا شریک جلسہ نہ ہو سکے اور تحریری معذرت ارسال فرمائی۔ فہرستوں کے اختتام پر معذرت کے عنوان سے چند سطور حوالہ قرطاس کی گئی ہیں اور اسکے بعد مصرع "العذر عند کرام الناس مقبول" کے نیچے "خاکسار محمد علی عفی عنہ ناظم ندوۃ العلماء" مندرج ہے۔ آخر میں ناظم کی ایک مختصر سی التماس منقول ہے جسکے بعد ناظم کے دستخط بایں طور مرقوم ہیں "محمد علی ناظم"

واضح ہو کہ اس روداد میں مولانا سید محمد علی کانپوری ثم مونگیری نے اپنے نام کے آگے لفظ ناظم لکھا ہے۔ بانی نہیں۔

ندوۃ العلماء کے پہلے اجلاس میں شریک ہونے والے فتحپوری معززین کی محولہ بالا ترتیب مذکورۃ السبق دوسری، تیسری اور چوتھی فہرستوں سے فتحپوری حضرات کے اسماء گرامی اخذ کرکے تیار کی گئی ہے۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے تشریف لاکر ندوۃ العلماء کے اس پہلے اجلاس میں شرکت کرنے والے دو سو پانچ معززین اہل اسلام میں سے ۶۳ حضرات فتحپور کے ہیں۔ یہ تعداد چوتھی فہرست سے ماخوذ ہے بقیہ سات فتحپوری شرکاء کے نام دوسری اور تیسری فہرستوں سے لیے گئے ہیں۔ اس طرح کل تعداد ستر ہوتی ہے۔

میں رقم کئے جاتے ہیں :

(۱) جناب مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی

(۲) مولوی حافظ شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی

(۳) مولوی محمد اشرف علی صاحب مدرس مدرسہ جامع العلوم کانپور

(۴) مولوی خلیل احمد صاحب مدرس دوم مدرسہ دیوبند

(۵) مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری

(۶) مولوی جمال الدین صاحب اسلام آبادی

(۷) مولوی نور محمد صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ فتحپور

(۸) مولوی احمد حسن صاحب مدرس اول مدرسہ فیض عام کانپور

(۹) مولوی سید محمد علی صاحب کانپوری

(۱۰) مولوی محمود الحسن صاحب مدرس اوّل دیوبند

(۱۱) مولوی عبد الحق صاحب دہلوی

(۱۲) مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواری

(۱۳) مولوی حافظ غایت اللہ صاحب علی گڑھی

(۱۴) مولوی عبد الغنی صاحب بھیکم پوری

(۱۵) مولوی حکیم سید محمد ظہور الاسلام فتحپوری

(۱۶) حکیم فخر الحسن گنگوہی

(۱۷) مولوی سیّد تجمل حسین صاحب بہاری

(۱۸) مولوی محی الدین صاحب پروفیسر میور کالج الہ آباد

(۱۹) مولوی عبد العلی صاحب مدرس اوّل مدرسہ مراد آباد

(۲۰) مولوی محمد فضل اللہ صاحب لکھنوی۔

کے علاوہ اور بھی اہل علم حضرات تھے جنکے نام لکھنے سے رہ گئے۔ راقم مشتاق علی مدرسہ اسلامیہ فیض آباد۔

ندوۃ العلماء کے پہلے اجلاس کا دوسرا جلسہ ۱۶ شوال ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۳ اپریل ۱۸۹۴ء کو بروز دوشنبہ بوقت ۶ بجے صبح منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں مولوی حافظ نیاز احمد صاحب ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول فتحپور نے بھی تقریر کی۔

مولانا تحریک ندوہ کے بانی محرک اور سپاہی سبھی کچھ تھے لیکن آپ نے فتحپور اور اپنے مدرسہ سے مثالی محبت، نیز پیر کے حکم کی وجہ سے فتحپور چھوڑنا اور کانپور یا لکھنؤ میں اقامت گزیں ہو کر ندوۃ العلماء کی ساری ذمہ داریاں[۵۹] اپنے سر لینا مناسب نہیں سمجھا، جناب محمود حسن خاں صاحب وکیل نے اپنے صاحب زادہ جناب الطاف خاں صاحب شروانی سے اپنے چچا و خسر سراج الحسن خاں صاحب وکیل کے حوالہ سے (جو مدرسہ فیض عام کے جلسہ دستار بندی و ندوۃ العلماء کے پہلے اجلاس ۱۸۹۴ء میں شریک تھے۔) بتلایا کہ مدرسہ فیض عام کے ۱۸۹۲ء کے جلسہ دستار بندی میں شریک تمام علماء ندوۃ العلماء کی ذمہ داری مولانا ظہور الاسلام صاحب پر ڈالنا چاہتے تھے لیکن مولانا مرحوم نے فرمایا "اپنے ضلع میں ایک مدرسہ کی ذمہ داری مجھ پر ہے اسکو میں کسی دوسرے کے سپرد نہیں کر سکتا[۶۰]"، تب یہ کام مولانا محمد علی کانپوری کے

---

۵۹ مولانا ظہور الاسلام صاحب فتحپوری کی نظامت کی ایک تجویز انجمن ندوۃ العلماء کے جلسہ انتظامیہ منعقدہ ۷ اپریل ۱۹۱۱ء میں بھی پیش کی گئی تھی۔ مولوی ظہور الاسلام صاحب کی نظامت کی یہ تحریک منشی احتشام علی نے پیش کی تھی جس کی تائید مولوی خلیل الرحمٰن، کرنل عبد الحمید، نواب علی حسن خاں، مولوی سید احمد صاحب امام جامع مسجد دہلی قاری عبد السلام پانی پتی وغیرہ نے فرمائی اور جب مولوی ظہور الاسلام صاحب نظامت کیلئے کسی طرح راضی نہ ہوئے تو منشی اطہر علی نے تحریک کی کہ مولوی خلیل الرحمٰن کو ناظم مقرر کیا جائے لیکن مولوی خلیل الرحمٰن نے بھی انکار کر دیا تو یہ جلسہ بغیر انتخاب ناظم برخاست ہو گیا نئے عہدیداروں میں مولوی خلیل الرحمٰن نائب ناظم اول ہو گئے۔

سپرد کیا گیا۔ اور جب مولانا محمد علی صاحب کی علالت کے باعث ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ان کا معین و مددگار مقرر کیا جائے تو مولانا ظہور الاسلام صاحب کی تجویز پر یہ ذمہ داری مولانا حکیم سید عبد الحئی صاحب مرحوم کو تفویض کی گئی۔ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ فرماتے ہیں:

"ہمارے والد صاحب (مولانا عبد الحئی صاحب[۱]) سے بہت خصوصی تعلقات تھے شفقت تھی اور انہیں (مولانا ظہور الاسلام صاحب) کے تعارف کرانے سے ان کو ندوہ کے کام میں آگے بڑھایا۔ چنانچہ جب یہ مسئلہ سامنے آیا کہ ان کا (محمد علی صاحب) مددگار کون ہو تو مولانا ظہور الاسلام صاحب نے کہا کہ مولوی سید عبد الحئی ہو سکتے ہیں[۱۱]۔"

علامہ شبلی نعمانی نے ایک بار حسن الدین خاموش سے فرمایا تھا:

"تمہارے ضلع میں مولانا ظہور الاسلام کو کون جانتا ہے کہ ندوۃ العلماء کے قیام میں سب سے زیادہ ان ہی کا حصہ تھا[۲]"

ندوۃ العلماء کے اغراض و مقاصد کے بابت معین الدین عقیل صاحب فرماتے ہیں "ہوشمند دور اندیش اور وسیع النظر علماء نے ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۴ء میں ندوۃ العلماء کے نام سے ایک انجمن قائم کی اس کا مقصد عربی مدارس کا فروغ، اشاعت اسلام، مختلف الخیال علماء کا رفع نزع باہمی، سماجی اصلاح اور قوم کا مجموعی مفاد تھا[۱۲]۔"

---

[۱۰] انٹرویو الطاف حسین خاں شروانی مورخہ ۱۰ر ستمبر ۱۹۸۹ء بروز یکشنبہ ۵ بجے شام [۱۱] انٹرویو حضرت مولانا علی میاں مدظلہ مورخہ ۲۳ر فروری ۱۹۸۸ء بر مکان مولانا محمد عامر صاحب ندوی سے یادگار ظہور حسن الدین خاموش فتحپوری ص ۱۳

[۱۲] تحریک آزادی میں اردو کا حصہ معین الدین عقیل مطبوعہ کراچی ص ۲۱۵

اس عبارت میں ایم عقیل صاحب کو سنہ کی بابت تسامح ہوا ہے۔ واقعتہً یہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء کی بات ہے۔ اسی طرح "تاریخ ساز جوانیاں" کے مصنف کو اپنے اس قول میں کہ "۱۸۹۴ء میں جب ندوۃ العلمار کا قیام عمل میں آیا تو مولانا شبلی ذہنی طور پر اس سے زیادہ قریب تھے اور خوشی محسوس کرتے تھے [۱۳]"، قیام کے بارے میں سنہ کی بابت تسامح ہو گیا ہے۔

سید حامد حسن قادری نے مقاصد ندوہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے "ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جس میں علوم قدیمہ کے علاوہ فنون جدیدہ اور صنعت و حرفت کی بھی تعلیم دی جائے" [۱۴]

مولانا ظہور الاسلام صاحب ندوہ کے اغراض و مقاصد کے تحت اپنے رسالہ "البرق اللامع والنور الساطع" میں رقم طراز ہیں:

"مقاصد و فوائد ندوۃ العلمار: اس مبارک انجمن ندوۃ العلمار کے تین اصلی مقصد ہیں:

(۱) ترقی تعلیم اور اسکی اصلاح کرنا (۲) نزاعات باہمی کے دفع کی کوشش کرنا جنکے علاوہ اضاعت جان و مال کے ہتک اسلام و مسلمین ہے (۳) مسلمانوں کی اصلاح و فلاح

---

[۱۳] تاریخ ساز جوانیاں، مرتبہ محمد جاوید خالد ص ۶۵ - علامہ شبلی ندوہ کے پہلے اجلاس منعقدہ ۱۸۹۴ء میں پہلی بار شامل ہوئے تھے۔

[۱۴] داستان تاریخ اردو از حامد حسن قادری ص ۶۱۶ مطبوعہ عزیزی پریس آگرہ [۱۵] تاریخ پیدائش ۱۸ رمضان المبارک ۱۲۸۶ھ ۲۲ دسمبر ۱۸۶۹ء مقام پیدائش رائے بریلی۔ تاریخ وفات ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۴۱ھ - ۲ فروری ۱۹۲۳ء بعارضہ ضعف قلب مدفن دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی (تذکرہ ماہ و سال ص ۲۶۲ - آپ نے ۱۳۰۶ھ میں اپنے والد کے پاس بھوپال تشریف لے جانے سے پہلے چند مہینے فتحپور میں رہ کر مدرسہ اسلامیہ فتحپور کے صدر مدرس مولانا نور محمد صاحب سے فقہ کی کوئی کتاب پڑھی (ماخوذ از حیات عبدالحی ص ۵۲) آپ ندوۃ العلمار کے پہلے اجلاس میں بھوپال سے آکر شریک ہوئے۔ روداد میں آپکے اسم گرامی کے آگے رائے بریلوی از بھوپال مرقوم ہے۔

کی تدابیر سوچنا اور ان کے اجرا میں سعی کرنا لیکن معاملات سیاست سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

ہر ایک مقصد کے مناسب عمل تجاویز قرار دیئے گئے ہیں جن کا اجراء مسلمانوں کی حالت موجودہ کے لئے نہایت ضروری ہے کہ ان کی دینی و دنیاوی ضرورتوں کے لئے پوری طرح کافی وافی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر فضل ایزدی ان کے اجراء میں پورے طور سے مؤید ہوا تو قوم کو اس سے فوائد کثیر حاصل ہوں گے جن کا اجمالی اندازہ حسب ذیل ہے:

(۱) ترقی مذہب اسلام (۲) لامذہبی اور الحاد کی بیخ کنی (۳) علمائے باکمال کا موجود ہونا (۴) علماء کی حرمت و توقیر (۵) صنعت و تجارت کی ترقی و اشاعت (۶) اُن خلاف شریعت رسومات و اصراف سے بچنا جو تباہی اور بربادی کے باعث ہیں (۷) احکام ضروری صوم و صلوٰۃ کی پابندی (۸) استفتاؤں کا جواب اور حسب ضرورت زمانہ مفید مسائل اور اختراعات جدیدہ کی تحقیق (۹) علماء سے ان فضیح نزاعوں کا دفع ہو جانا جن سے علاوہ اضاعت اموال مسلمین کے ہتک اسلام متصور ہے (۱۰) عام اہل اسلام کا نزاعات باہمی کے مفاسد سے بچکر معاش و معاد کے عمدہ تدابیر پر چلنا۔۔۔۔"

مولانا ظہور الاسلام صاحب اس کے آگے "قواعد شرکت ندوۃ العلماء کے تحت لکھتے ہیں:

"ہر مسلمان کم از کم دو روپے سالانہ دینے پر اراکین ندوہ میں داخل ہو سکتا ہے اور جو اس سے کم دے وہ بھی شریک ندوہ ہے۔ عطیے کی مقدار ہر شخص کی مقدرت اور فیاضی پر منحصر ہے۔

رکنوں پر فرض ہوگا کہ وہ مقاصد و فوائد ندوۃ العلماء کو شائع کریں اور اسکی ترقی و بہبودی کے واسطے فکر و کوشش کریں اور تجاویز منظور شدہ پر عملدرآمد اور ضوابط و دستور العمل

کی پابندی کریں اور ایسے افعال و حرکات سے مجتنب رہیں جو مخالف اسلام اور خلاف عظمت ندوہ ہوں۔

روئداد جلسہ سالانہ تمام اراکین ندوہ کو بلا قیمت دی جائے گی اور رائے دینے کا حق ہوگا اور جلسہ انتظامیہ کے واسطے منتخب ہونگے بشرطیکہ پوری ہمدردی اور دلچسپی ندوہ سے رکھتے ہوں اور فرائض جلسہ انتظامیہ کو ادا کر سکتے ہوں اور سالانہ جلسہ میں دعوت دی جائیگی۔

اراکین کو وہ کل کتابیں جو قبل از رکنیت سال گزشتہ کے متعلق شائع ہوئی ہوں پوری قیمت پر اور سال رکنیت کی بقیہ کتابیں سوائے روئداد کے نصف قیمت پر مل سکیں گی۔ اس طرح مولانا نے انجمن ندوۃ العلماء کے تین مقاصد اور دس فوائد تحریر کئے ہیں اور انجمن ندوۃ العلماء میں شرکت کے قواعد بھی بالتفصیل درج فرمائے ہیں۔ فوائد ندوۃ العلماء میں بالعموم اور پانچویں، آٹھویں نمبر پر مندرج فوائد میں بالخصوص مولانا کے مدرسہ اسلامیہ فتحپور کے عربی، انگریزی اور صنعتی شعبوں کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے اور صاف پتہ چلتا ہے کہ دونوں اداروں کا بانی ایک ہے۔ مولانا نے جن مقاصد کے حصول کی خاطر اپنے وطن عزیز فتحپور مدرسہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی تھی۔ ان ہی کی ملکی سطح پر ترویج و اشاعت کی غرض سے مولانا نے اپنے ذہن میں پہلے ایک خاکہ تیار کیا اور اس خاکہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے "مذہبی انجمن" بنائی بعد میں اسکے لئے "انجمن ندوۃ العلماء" کا نام تجویز کیا۔ مولانا نے اس خاکہ کو پروان چڑھانے کیلئے اندرون ملک دورے کئے اور مقامی و بین الاقوامی سطح پر دانشوروں کے مابین اسکے اغراض و مقاصد رکھکر ان سے مدد کے طلبگار ہوئے۔ "قواعد شرکت ندوۃ العلماء" کے ضمنی مندرجات اس امر کا انکشاف کرتے ہیں کہ مولانا اس انجمن کو عوام کی چیز بنانا چاہتے تھے اسلئے انھوں نے رکن میں ہر اس شخص کو شامل کرنے کی بات کی ہے جو انجمن کو کم از کم دو روپے سالانہ کی رقم عطا کرے اور اس سے کم کی رقم دینے والے کو بھی انجمن میں شامل کرنے کے لئے "شریک ندوہ" کی اصطلاح وضع کی۔ مولانا موصوف نے ان مندرجات میں اراکین ندوہ کے فرائض اور ان کے حقوق و مراعات کی بھی وضاحت کی ہے۔

معرضِ بحث مندرجات اس کی لفظیات، اسکے اسلوب اور مولانا کے اندازِ ابلاغ اور اس کی قطعیت سے بھی یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ مولانا موصوف اس انجمن میں کلیدی حیثیت کے مالک تھے اور انجمن میں ان کی حیثیت مختارِ کل کی سی تھی۔ مولانا کے علاوہ مولانا کے کسی معاصر نے (بشمولِ مولانا محمد علی کانپوری ثم مونگیری) رکن اور رکن کے فرائض و حقوق پر اتنی قطعیت سے بات نہیں کی اور نہ ان کے ذہن میں انجمن ندوۃ العلماء کا خاکہ اتنی وضاحت کے ساتھ موجود تھا۔

ندوۃ العلماء کا تیسرا اجلاس بمقام بریلی ۲۶، ۲۷، ۲۸ شوال ۱۳۱۳ھ میں منعقد ہوا[15]۔ مولانا ظہور الاسلام صاحب اس جلسہ میں زیارت حرمین شریفین کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ موصوف کو مکہ معظمہ میں قیام کے دوران ندوۃ العلماء کے اسی بریلی کے اجلاس کی بابت یہ اطلاع ملی کہ بعض علماء نے اسکی مخالفت کی ہے۔ مولانا نے سوچا کہ ہندوستانی علماء کے اختلاف کا فیصلہ حرمین شریفین کے علماء سے حاصل کیا جائے لیکن مولانا اپنے مربی ماموں کی علالت اور ارکان حج میں اپنی مشغولیت کے باعث یہ کام مکہ مکرمہ میں نہ کر سکے۔ مولانا نے وہاں صرف شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی[16] سے ملاقات کرکے ان سے اس کا تذکرہ کیا اور حضرت حاجی صاحب نے آپکو ایک تحریر عنایت فرمائی۔ آپ اپنے ماموں کے انتقال کے بعد مسجد رسول اور روضۂ رسول کی زیارت کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور آپ نے وہاں دو ماہ تک اقامت کی سعادت

---

[15] تاریخ ندوۃ العلماء حصہ اول ص ۱۶

[16] مولانا حاجی امداد اللہ، امداد تھانوی کی ولادت نانوتہ ضلع سہارنپور میں جمعرات کے دن ۲۲ صفر ۱۲۳۳ھ مطابق یکم جنوری ۱۸۱۸ء کو اور وفات مکہ معظمہ میں بدھ کے دن ۱۲ جمادی الآخر ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو ہوئی۔ تذکرہ ماہ و سال، مالک رام ص ۴۸

حاصل کی اور اسی اقامت کے دوران مدینہ منورہ کے مستند علماء سے ندوۃ العلماء کے موقف کے بارے میں ذریعۂ استفتا فتاوے حاصل کئے۔ مولانا اس بابت "البرق اللامع والنور الساطع" میں یوں رقمطراز ہیں :

"_____ مجھے مدینہ منورہ کے جانے کا اتفاق ہوا اور خوش نصیبی سے قریب دو ماہ کے وہاں شرف اندوزی کا اتفاق ہوا تو اس موقع کو غنیمت سمجھ کر میں نے وہاں کے مستند علماء سے فتوی کرایا جس کو میں پیش کرتا ہوں۔ الحمد اللہ کہ جو جگہ ہدایت کا منبع اور مرجع ہے وہاں کے علماء نے "ندوۃ العلماء" کو نہایت عمدہ مجلس فرمایا ہے اور تمام مسلمانوں کو اس کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ واپسی کے وقت مکہ معظمہ کے علماء سے بھی مہریں کراؤں گا مگر افسوس ہے کہ لوٹتے وقت مکہ معظمہ میں جانے کا اتفاق نہ ہوا اسلئے وہاں کے علماء کے دستخط نہ کرا سکا البتہ مدینہ منورہ جانے سے پہلے حضرت شیخ المشائخ مولانا حاجی امداد اللہ المہاجر المکی مدظلہ، سے اس کا ذکر آیا تھا اور اس وقت حاجی صاحب قبلہ نے فرمایا کہ جتنے بڑے کام شروع کئے جاتے ہیں ان کی مخالفت ہوتی ہے۔ نیک نیتی کے ساتھ اسکو کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ خود اپنا کام پورا کرے گا۔ اور ایک تحریر بھی عنایت فرمائی[۵۵] _____"

اقتباس قدرے طویل ہو گیا ہے لیکن ندوۃ العلماء سے مولانا کی غیر معمولی دلچسپی اور اس سے آپ کے خاص لگاؤ کو واضح کرنے کے لئے اس تراشہ کو نقل کرنا ناگزیر تھا۔ مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے وہ الفاظ جو خط کشیدہ کر دیئے گئے ہیں۔ اس بات کی جانب

---

۵۵ البرق اللامع والنور الساطع، ص ۱

اشارہ کرتے ہیں کہ مولانا ندوۃ العلماء کے بانی اور رُوح رواں تھے۔ مولانا زیارت حرمین شریفین کی خاطر مکہ اور مدینہ تشریف لے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں ندوۃ العلمأ کے اجلاس میں اس کی مخالفت خود علماء کے ایک طبقہ کی جانب سے کی جاتی ہے تو مولانا کو اسکی اطلاع ان کی واپسی کا انتظار کئے بغیر فوری طور پر دی جاتی ہے کیونکہ ندوۃ العلماء مولانا کے ذہن اور مولانا کی کاوشوں کا ثمرہ تھا اور اسکی ترویج واشاعت کے لئے مولانا بڑی تندہی سے کام کر رہے تھے۔

مولانا نے مدینہ منورہ میں اقامت کے دوران الحاج مولانا عثمان بن عبدالسلام واغستانی مفتی مدینہ منورہ سید جعفر بن السید اسمٰعیل ابرانجی مفتی شوافع مولانا سید احمد ابرنجی مدرس مسجد نبویؐ۔ سید مصطفےٰ اصغر مدرس حرم مدینہ منورہ، مولانا خلیل بن ابراہیم خربوتی مدرس حرم شریف، مولانا حافظ محمد معشوق القاشغی مدرس حرم شریف، مولانا امین رضوان مدرس حرم شریف وشیخ الدلائل سے ملاقات کی اور ندوۃ العلماء کی بابت استفتاء کرکے ان سے فتاوے حاصل کئے۔

مولانا نے یہ فتاوے محرم الحرام ۱۳۱۴ھ مطابق جون ۱۸۹۶ء میں حاصل کئے تھے — ندوۃ العلماء کی بابت حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی محولہ بالا تحریر البرق الامع میں منقول ہے۔ اس تحریر کے اختتام پر مولانا امداد اللہ صاحب کے دستخط مع تاریخ ثبت ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تحریر ۱۵ر محرم الحرام ۱۳۱۴ھ کی لکھی ہوئی ہے از روئے جنتری ۱۵ر محرم ۱۳۱۴ھ کی عیسوی مطابقت ۲۷ر جون ۱۸۹۶ء ہے۔

مولانا ظہور الاسلام نے اس کتاب میں مقامی علماء میں مولانا غلام محمد ہوشیار پوری الٰہی بخش ہڈیولی (ہوشیار پور)، محمد بخش ہڈیولی، فتح الدین ہوشیار پوری، محمد خلیل ہوشیار پور مفتی شاہ دین، نور محمد اڈیٹر نور علی نور لدھیانہ غلام رسول مفتی امرتسر، ابو عبید اللہ احمد

واعظ جامع امرت سر، احمد علی بٹالوی، ابوالحسین غلام اللہ قصوری، فیض اللہ، احمد دین مدرس مدرسہ المسلمین امرت سر، مفتی محمد عبد اللہ پروفیسر عربی اورنٹیل کالج لاہور۔ غلام احمد مدرس مدرسہ نعمانیہ لاہور۔ محمد حسن مدرس دوم مدرسہ نعمانیہ لاہور، عبد الوہاب بہاری مدرس اوّل مدرسہ دار العلوم کانپور، نور محمد مدرس مدرسہ فیض عام کانپور، ابوالحسنات حبیب الرحمن ابوالفیض محمد شفیع ناصر رامپوری وحید الحق مدرس اول مدرسہ اسلامیہ بہار۔ محمد احسن بہاری، محمد عبد الشکور بہاری (عظیم آبادی) اصغر حسین دسنوی، محمد حفیظ اللہ ابوالحسنات محمد عبد الغفور داناپوری عظیم آبادی، واعظ الاسلام مدرسہ اسلامیہ المسلمین پٹنہ، محمد حسیم الدین واعظ اسلام انجمن اسلام مونگیر، محمد امانت اللہ اور محمد ایوب کوہلی اسرائیلی کے فتاوے جو ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۲ مئی ۱۸۹۶ء بروز پنجشنبہ سے ۲۲ محرم ۱۳۱۴ھ مطابق ۵ جولائی ۱۸۹۶ء تک کے درمیانی مدت میں دیئے گئے تھے۔ جمع کر دیئے گئے ہیں۔

معروضات ماسبق سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ مولانا ظہور الاسلام صاحب مجددانہ و مجتہدانہ حیثیت کے مالک تھے۔ مولانا کے ذہن میں چند اغراض و مقاصد لئے ہوئے ایک خیال پیدا ہوتا ہے اور مولانا اس خیال کو وجدانی شعور کے سہارے عصری مقتضیات اور وقت کی ضرورتوں کو مدنظر رکھکر آگے بڑھاتے ہیں۔ اس خیال کو میلانات ورجحانات کی منزلوں سے عبور کرواکر تنظیم کی شکل دیتے ہیں اور اسکو مذہبی انجمن کا نام عطا کرتے ہیں۔ ایک سال کے اندر ہی اس مذہبی انجمن کے لئے "انجمن ندوۃ العلماءؒ" کا نام تجویز کیا جاتا ہے اور مولانا کی صبر آزما تگ و دو کے باعث اسکو تحریک کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کی خاطر مولانا ناساعد حالات کا مقابلہ کرتے ہیں۔ مولانا کی نیک نیتی، مولانا کی مساعی جلیلہ، مولانا کے روحانی فیضان اور مولانا لطف اللہ علی گڑھی، علامہ

شبلی نعمانی، مولانا محمد علی کانپوری، مولانا عبدالحی، مولوی عبدالغفور فتحپوری، مولوی عبدالرزاق کانپوری کے ایسے علماء وصلحاء کی معاونت ومساعدت سے انجمن ندوۃ العلماء کے تحت ایک پودا مدرسہ کی شکل میں ۱۸۹۸ء میں لگایا جاتا ہے اور یہ پودا آگے چلکر ایک تناور درخت کی شکل اختیار کرلیتا ہے اور آج اپنے منتظمین کے اخلاص، دانشوری، دوربینی دوراندیشی اور تندہی کی بدولت اس کا شمار دنیا کے مہتم بالشان علمی اداروں میں ہے۔

اس تحریک پر علی گڈھ تحریک کا بھی اثر پڑا۔ ندوہ سے منسلک علماء کو جن کی نگاہوں میں دوررسی اور جن کے فکر وخیال میں وسعت اور گہرائی تھی دینی مدارس میں نئی روشنی لانے کی فکر لاحق ہوئی۔ مقتضیات زمانہ کو نظر میں رکھتے ہوئے تعلیمی نصاب میں تبدیلیاں کی گئیں اور اسکے قواعد وضوابط مرتب کئے گئے۔[۱۸] اس طرح ایک جدید نصاب کا اجراء کیا گیا جو مکمل طور پر وقتی ضرورتوں کے ہم آہنگ تھا۔ انگریزی، ہندی اور سنسکرت کی تعلیم جاری کی گئی تاکہ مسلمان ان زبانوں کو پڑھکر عیسائی مشنیریوں اور دوسری تحریکوں کا مقابلہ کرسکیں۔ جدید عربی کی تعلیم شروع کی گئی اور تحریر وتقریر کی مشق کی طرف خاص توجہ کی گئی تاکہ مقررین ومصنفین پیدا ہوسکیں۔ لائق مدرسین کی فراہمی پر زور دیا گیا درجہ اعلیٰ اور درجہ تکمیل جاری کئے گئے۔ ایک عمدہ قسم کی لائبریری کی جانب بھی بطور خاص توجہ کی گئی اور ایک ماہنامہ رسالہ "الندوہ" بھی جاری کیا گیا۔[۱۸]

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ابتدائی درجات لکھنؤ میں ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں کھولے گئے[۱۹] اور

---

[۱۷] موج کوثر، از شیخ محمد اکرم ص ۲۰۵ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۷ء [۱۸] دارالمصنفین اعظم گڈھ کی ادبی خدمات۔ خورشید نعمانی ردولوی ص ۱۳ مطبوعہ بمبئی ۱۹۷۶ء

[۱۹] ترجمہ تاریخ ادب اردو۔ رام بابو سکسینہ حصہ نثر ص ۶۸، ۶۹ (مترجم مرزا محمد عسکری)

۱۸۹۹ء میں رؤسائے شاہجہانپور کی فیاضی سے کچھ زمینداری ندوۃ العلماء کو بطور وقف حاصل ہوگئی۔ جسکو اس نے ٹھیکہ پر دے دیا اور اس طرح اسکی آمدنی سے ندوہ کو مبلغ سات سو روپئے سالانہ ملنے لگے پھر اس کی شاخیں شاہجہانپور میں قائم کی گئیں[۲۰]۔ اس میں علماء کا مندرجہ ذیل طبقہ شامل تھا۔ مولانا ظہور الاسلام فتحپوری، مولانا لطف اللہ صاحب، شاہ محمد حسین صاحب، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا محمد علی کانپوری، مولانا شاہ سلیمان پھلواری، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا خلیل احمد دیوبندی، علامہ شبلی نعمانی وغیرہم۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کا افتتاح فتحپور کی ایک برگزیدہ شخصیت حضرت مولانا حافظ حاجی نجم الدین شاہ صاحبؒ کے مقدس ہاتھوں سے ہوا۔ مولانا سید سلیمان ندوی رقمطراز ہیں:

> مرحوم (ضیاء الحسن علوی) کا بچپن مذہبی وصوفیانہ ماحول میں گذرا تھا اس لئے بایں ہمہ ان پر یہ اثر غالب تھا۔ طالب علمی ہی میں حضرت مولانا شاہ ابو احمد صاحب مخدومی بھوپالی (مرید شاہ عبد الغنی صاحب مجددی مہاجر) سے لکھنؤ میں بیعت کی تھی جو اس وقت اتفاق سے لکھنؤ آگئے تھے اور میں نے بھی ملا مبین کی مسجد میں ان کی زیارت کی اور بھوپال میں تو کئی دفعہ حاضری کا اتفاق ہوا۔ چونکہ میرے بڑے بھائی صاحب مرحوم بھی انہی سے بیعت تھے اور خلافت سے ممتاز تھے۔ اسلئے مرحوم ضیاء الحسن سے میری محبت کی نسبت میں اس نئے رشتے سے اور مضبوطی پیدا ہوگئی۔ حضرت شاہ صاحب کی وفات کے بعد مرحوم نے حضرت شاہ نجم الدین صاحب فتحپوری سے تعلق

۲۰۔ اردو میں ادبی نثر کی تاریخ۔ ڈاکٹر طیبہ خاتون ص ۷۵

پیدا کیا جن سے وہ بچپن سے واقف تھے، کیونکہ دار العلوم ندوۃ العلماء کا افتتاح انہیں کے مبارک ہاتھوں سے ہوا تھا[21]"

حضرت مولانا شاہ نجم الدینؒ نے مرحوم ضیاء الحسن علوی سے حضرت مفتی عنایت احمد صاحب بانی مدرسہ فیض عام کانپور کی مشہور و معروف کتاب علم الصیغہ پڑھوا کر دار العلوم ندوۃ العلماء کا افتتاح کیا تھا[22]

اس موقع پر یہ بات قابل غور ہے کہ دار العلوم ندوۃ العلماء کا افتتاح مولانا ظہور الاسلام صاحب کے وطن عزیز کے ایک بزرگ حضرت مولانا حافظ شاہ نجم الدین فتحپوری کے ہاتھوں عمل میں آیا تھا۔

ڈاکٹر سید اعجاز حسین کا مدرسہ ندوۃ العلماء کی بابت یہ فیصلہ کہ "یہ مدرسہ ۱۸۹۴ء میں اس غرض سے قائم کیا گیا تھا کہ نصاب تعلیم کی اصلاح ہو۔ علوم دین کی ترقی، علماء کے باہمی نزاع کا انسداد عام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی تدبیریں سوچی جائیں۔[23]" غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ دراصل ۱۸۹۴ء میں انجمن ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس ہوا تھا اور انجمن کا باقاعدہ قیام ۱۸۹۲ء / ۱۳۱۰ھ میں ہوا تھا۔ مدرسہ ندوۃ العلماء ۱۸۹۸ء قائم کیا گیا تھا۔

---

[21] معارف جولائی ۴۵ء۔ و یاد رفتگاں علامہ سید سلیمان ندوی ص ۳۲۸، ۳۲۷ مطبوعہ معارف اعظم گڈھ طبع ۱۹۸۶ء م ۱۴۰۷ھ

[22] یاد ایام ــــــ ضیاء الحسن علوی، ص ۱۶ مطبوعہ انیس اردو الہ آباد ۱۹۹۵ (ماخوذ کتاب میں مولانا فضل رحمٰن کو اس وقت بقید حیات دکھلانا ذہول و نسیان کا ثمرہ ہے۔ راقم)

[23] مختصر تاریخ ادب اردو ترمیم شدہ: ڈاکٹر سید اعجاز حسین، ترمیم و اضافے: ڈاکٹر سید محمد عقیل، ص ۳۲۹ جاوید پبلشرس، نشیمن، ۱۱ منٹو روڈ الہ آباد۔

ندوۃ العلماء کے مقاصد میں مطلق علم کی ترقی کی بات کہی گئی ہے۔ علوم دین کی تخصیص مصنف کا خود کا اضافہ ہے۔ مقاصد ندوہ بیان کرتے ہوئے مولانا ظہور الاسلام صاحب تحریر کرتے ہیں۔ "اس مبارک انجمن ندوۃ العلماء کے تین اصلی مقصد ہیں۔ (۱) ترقی تعلیم اور اسکی اصلاح کرنا (۲) نزاعات باہمی کے دفع کی کوشش کرنا جن سے علاوہ اضاعت جان و مال کے ہتک اسلام و مسلمین ہے (۳) مسلمانوں کی اصلاح و فلاح کے تدابیر سوچنا اور ان کے اجراء میں سعی کرنا لیکن معاملات سیاست سے کوئی تعلق نہ ہوگا[۲۴]"

اسکے علاوہ اس استفتاء میں بھی جس کے ذریعہ انجمن ندوۃ العلماء کے لئے مدینہ منورہ کے مشاہیر علماء و مفتیان کرام کے گرانقدر فتوے حاصل کئے گئے تھے مولانا ظہور الاسلام صاحب فتحپوری نے علم نافع کے سلسلہ میں ہر علم کے اخذ و اکتساب کی بات کی ہے۔۔۔ استفتاء کا متعلقہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"۔۔۔ اہل اسلام میں علم نافع کا رواج ہو اسلئے انہوں نے ہر علم سے اچھی اچھی باتیں اختیار کر لی ہیں اور بڑا مقصد ان کا ہر علم میں کمال بہم پہونچانے سے یہ ہے کہ دینی علوم کے سمجھنے کی استعداد پیدا ہو اسی واسطے علوم میں کمال پیدا کرنے کی طرف بقدر طاقت بشری کے وہ بالکل مائل ہوئے ہیں[۲۵]۔۔۔"

دار العلوم ندوۃ العلماء ایک مدرسہ کی شکل میں اسی انجمن کے تحت ۱۸۹۸ء میں قائم

---

[۲۴] البرق اللامع والنور الساطع ص ۱ سے پیشتر

[۲۵] الف ا " " " ص ۵

کیا گیا تھا اسکے پانچ مقاصد رکھے گئے جن میں سے تین ابتدائی "مقاصد انجمن ندوۃ العلماء" سے اور بقیہ دو (۴) ایک عظیم دار العلوم قائم کرنا جس میں علوم وفنون کے سوا عملی صنائع کی بھی تعلیم ہوگی (۵) دینی امور میں فتوے دینے کے واسطے محکمہ افتاء کا ہونا جس میں بڑے بڑے عالم اور مفتی ہوں گے[۲۶]۔ فوائد ندوۃ العلماء کے تحت مندرج دس فوائد سے اخذ کئے گئے ہیں یہ دونوں مقاصد مولانا ظہور الاسلام صاحب کے رقم کردہ دس فوائد میں پانچویں اور دسویں نمبر پر درج ہیں۔

ڈاکٹر سید محمد عقیل سابق پروفیسر وصدر شعبۂ اردو الہ آباد یونیورسٹی نے ۱۹۸۴ء میں ڈاکٹر اعجاز حسین مرحوم کی محولہ بالا کتاب "مختصر تاریخ ادب اردو" کو ترمیم واضافہ کے ساتھ جاوید پبلشرس نشیمن ۱۱ منٹو روڈ الہ آباد سے اس ارادہ سے شائع کیا کہ مختصر تاریخ ادب اردو کو جو ۱۹۶۴ء تک کی تاریخ ادب اردو پر محیط تھی تحریر کے وقت تک کی ادبی تاریخ کو شامل کر کے مکمل کر دیں۔ موصوف نے اس کتاب میں 'اپنی بات' کے تحت علاوہ دیگر باتوں کے یہ بھی لکھا ہے کہ متن میں تھوڑا بہت اضافہ بھی کر دیا جائے جس سے مزید طلباء اس کتاب سے استفادہ کر سکیں[۲۷]۔ لیکن انہوں نے بھی اس فرد گذاشت کا ازالہ نہیں کیا اور ڈاکٹر اعجاز حسین مرحوم کی مرقومہ بالا عبارت کو بعینہٖ قائم رکھا۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے قیام کے جو عواقب ونتائج برآمد ہوئے انہوں نے سرسید کی مخالفتوں کا سلسلہ اور دراز کر دیا۔ اس میں کچھ تو یوربین کا ہاتھ تھا اور کچھ ان مسلمانوں کا جو یہاں کی تعلیمی پالیسیوں اور انگریزی تعلیم پر زیادہ زور دینے کی وجہ سے مخالف ہو گئے تھے۔

---

[۲۶] مسودہ دار العلوم ندوۃ العلماء بر پشت ورق بحوالہ ترجمہ تاریخ اردو ص ۹۸ پر حاشیہ لے (حصہ نثر)

[۲۷] مختصر تاریخ ادب اردو ترمیم شدہ از ڈاکٹر سید اعجاز حسین مرتبہ سید محمد عقیل ص (د) مطبوعہ تاج آفسٹ پریس الہ آباد ایڈیشن ۱۹۸۴ء۔

ندوہ کو پرخطر حالات سے نکالنے اور اسکو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے میں مولانا ظہورالاسلام صاحب کرنل عبدالحمید خاں اور علامہ شبلی نعمانی کی مساعی جلیلہ لائق تحسین ہیں۔ ندوہ اپنے قیام کے ابتدائی مراحل میں اس وقت کے ممالک متحدہ کے لفٹننٹ گورنر سر انٹونی میکڈانل کی شدید مخالفت کا شکار ہوگیا تھا۔ گورنر بہادر ندوہ کو سیاسی سازشوں کا آلۂ کار سمجھ کر شک کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے، دوسری طرف مولانا احمد رضا خاں نے بعض ایسے رسالے ندوہ کی مخالفت میں لکھ ڈالے جن کی باعث ندوہ کی مخالفت میں ایک گروہ بہت سرگرم ہوگیا اور ندوہ کے مقابلے کے لئے ایک جنگجو جماعت "جدوہ" کے نام سے قائم کرلی گئی جس کے اجلاس میں کلکتہ میں ہوئے۔[۲۸] لیکن گورنر موصوف کے ولایت چلے جانے پر علامہ شبلی نعمانی نے حیدرآباد سے لکھنؤ آکر ندوۃ العلماء کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اور پبلک اور گورنمنٹ کے دلوں سے ان بدگمانیوں کے ازالہ کی کوشش کی جو ان کے دلوں میں جاگزیں ہوگئیں تھیں۔ اس کام میں کرنل عبدالحمید خاں صاحب نے بھی ان کی بڑی مدد کی۔ مولانا ظہورالاسلام صاحب نے ندوہ کی جانب سے مذہبی بدگمانیوں کو دور کرنے کے لئے حرمین شریفین میں اپنے قیام کے دوران پہلے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے اس کا تذکرہ کیا اور ان سے تحریر حاصل کی اور پھر مدینہ طیبہ میں اپنے طویل قیام کے دوران وہاں کے حضرات مفتیان کرام و علماء عظام سے ندوہ کے جواز و حمایت میں فتاوے حاصل کئے اور "البرق الامع والنور الساطع" کے نام سے ایک رسالہ لکھ کر ندوہ کے موقف کی وضاحت کی۔ مولانا نے اس رسالہ میں اپنے استفتاء کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ اور مدینہ منورہ کے مفتیان کرام کے اصل فتاوے مع اردو ترجمہ نیز متعدد مقامی علماء کے فتاوے بھی شامل کئے ہیں۔

۲۸؎ تاریخ ادب اردو، رام بابو سکسینہ ص ۶۹ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ (ترجمہ)

ان مساعی جلیلہ کا یہ خوش آئند نتیجہ برآمد ہوا کہ ندوہ عبوری دور سے کامرانی کے ساتھ باہر نکلا عوام کے شکوک رفع ہوئے اور گورنمنٹ نے دارالعلوم کے قیام کیلئے ایک وسیع و خوشنما اراضی دریائے گومتی کے کنارے لکھنؤ میں مرحمت کی۔ نیز انگریزی زبان اور دنیوی تعلیم کے لئے چھ ہزار روپے سالانہ کی امداد بھی منظور کر دی۔ سر جان ہیوٹ صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر ممالک متحدہ نے دارالعلوم کا سنگ بنیاد ۲۸ نومبر ۱۹۰۸ء کو رکھا[۲۹]

نواب صاحب بھاول پور کی دادی نے ندوۃ العلماء کو تعمیرات کے واسطے مبلغ پچاس ہزار روپے عنایت فرمائے اور مبلغ ڈھائی سو روپے کی سالانہ اعانت بھوپال سے مقرر ہوئے۔ ہز ہائنس آغا خان نے پانچسو روپے سالانہ کی مدد فرمائی اور نواب سید حامد علی خاں صاحب فرماں روائے ریاست رام پور نے بھی پانچسو روپے سالانہ کی امداد عنایت فرمائی[۳۰] اس طرح علامہ شبلی نعمانی اور مولانا ظہور الاسلام صاحب کی کوششیں بارآور ہوئیں۔ ندوۃ العلماء کی کشتی کو بھنور سے نکالنے والے یہ دونوں حضرات اپنے معاصر علماء کے مابین اس معنوں میں ممتاز و نمایاں ہیں کہ دونوں ہی کافی نڈر تجدد پسند ذہین و ذکی اور دوراندیش و دوربیں تھے حضرت مولانا ظہور الاسلام فتحپوری کے متعلق مفکر اسلام حضرت سیّد ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ فرماتے ہیں:

"ان (ظہور الاسلام صاحب) کا ذہن وسیع تھا جس ماحول میں انھوں نے تعلیم حاصل کی تھی اور ان کا نشو و نما ہوا تھا اسکے برخلاف نیز اس زمانے کے علماء کے برخلاف ان کا ذہن وسیع اور حقیقت پسند

---

[۲۹] تاریخ ادب اردو' رام بابو سکسینہ ص ۷، حصہ نثر

[۳۰] قاموس المشاہیر جلد اول نظامی بدایونی ص ۸۹۸ مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۱۹۲۴ء

تھا وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ کیا تبدیلیاں ہو رہی ہیں اور اب مستقبل
میں کن مسائل سے سابقہ پڑے گا۔ علمار کو کن حالات سے دوچار
ہونا پڑے گا اسلئے نئی تیاری کی ضرورت ہے [۳۱] ــــــ"

علامہ شبلی کی بابت (ندوۃ العلمار کے سیاق و سباق ہیں)، ڈاکٹر احتشام حسین
صاحب مرحوم لکھتے ہیں:

"۔ مسلمان علمار دین نے ایک عربی مدرسہ ندوۃ العلماء
کے نام سے قائم کیا تھا۔ شبلی اس سے بڑی دلچسپی لیتے تھے
مگر ان میں جو ایک تجدد پسندی کی لہر تھی اسکے باعث پرانے
خیال کے کٹر رہنما ان کی مخالفت کرتے رہتے تھے [۳۲] ــــــ"

مسودہ ندوۃ العلمار کے آخری ورق کی پشت پر "مقاصد ندوۃ العلمار"
درج ہیں جو ذیل میں رقم کیے جاتے ہیں

(۱) نصاب تعلیم کی اصلاح اور علوم دین کی ترقی اور تہذیب اخلاق اور شائستگی اطوار۔
(۲) علمار کے باہمی نزاع کا دفع اور اختلافی مسائل کے رد و قدح کا پورا انسداد۔
(۳) عام مسلمانوں کی صلاح و فلاح اور اسکی تدابیر مگر سیاسی اور ملکی معاملات اس سے علاحدہ ہیں۔
(۴) ایک عظیم الشان دار العلوم قائم کرنا جس میں علوم و فنون کے سوا عملی صنائع کی بھی تعلیم ہوگی۔
(۵) دینی امور میں فتوے دینے کے واسطے محکمۂ فتار کا ہونا جس میں بڑے بڑے عالم

---

[۳۱] انٹرویو حضرت مولانا علی میاں مدظلہ،
[۳۲] اردو کی تنقیدی تاریخ مؤلفہ سید احتشام حسین ص ۱۹۶، ترقی اردو، نئی دلی ۱۹۸۲ء

اور مفتی ہوں گے۔[۳۲]

تحریک ندوۃ العلماء کے عواقب و نتائج پر روشنی ڈالتے ہوئے رام بابو سکسینہ رقم طراز ہیں :

" ندوے نے جو خدمات ملک کی انجام دیں گو کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ابھی وہ تکمیل کو پہونچیں مگر اس میں شک نہیں کہ وہ بہت قابل تعریف ہیں۔ سب سے بڑا کام اس نے یہ کیا کہ قدامت پسند عالموں میں جو ضروریات زمانہ سے بے خبر تھے ایک بیداری پیدا کر دی اور ان کو بھی اسکی ضرورت محسوس ہونے لگی کہ ان کا قدیم نصاب بدل کر موجودہ زمانے کی ترقیوں کے حسب حال بنایا جائے۔ انگریزی زبان بھی داخل نصاب کی جائے، غیر مفید کتابیں اور علوم موقوف کئے جائیں اور ادب عربی و فارسی اور حدیث و تفسیر کی تحصیل پر زور دیا جائے۔ ندوہ نے یہ بڑا کام کیا کہ علوم عربیہ اور اسلامی تہذیب کو دنیا کے سامنے صحیح طور پر پیش کیا۔ قیمتی قلمی اور ہزارہا مفید مطبوعہ کتابیں جمع کر کے ایک اعلیٰ درجہ کا کتب خانہ قائم کیا۔ قرآن شریف کے صحیح انگریزی ترجمہ کا بھی کام ہاتھ لیا تھا۔ مسلمانوں کے عہد حکومت ہندوستان کے متعلق جو تاریخی غلطیاں ناواقفیت سے لوگوں میں مشہور ہو گئی ہیں انکو رفع کیا۔ اسیطرح مسلمانوں کے قانون و وقف و میراث کے متعلق جو پیچیدہ مسائل قانونی اکثر پیش آجاتے

---

[۳۲] ماخوذ از ترجمہ تاریخ ادب اردو حصہ نثر۔ رام بابو سکسینہ ص ۷

ہیں ان پر روشنی ڈالی۔ اسلامی علوم اور تمدن کا ایک مرکز
قائم کیا جس کا اثر ممالک دور دراز تک پڑا[۳۴]۔۔۔۔۔۔"

افسوس کی بات ہے کہ جس ندوۃ العلماء کے اراکین نے تاریخی غلطیوں کے ازالہ کا بیڑا اٹھایا تھا آگے چلکر اسی ندوۃ العلماء کے اراکین خاص نے بانی ندوۃ العلماء کے مسئلہ کو لیکر خود تاریخی غلطیوں کو جنم دیا۔ واقعات وحقائق کے برخلاف اپنے منشاء کے مطابق تاریخ بنائی اور اس کی تشہیر کی............انھوں نے تاسیس ندوہ اور بانی ندوہ کے حوالہ سے سب سے مستند دلیل سے صرف اغماض ہی نہیں کیا بلکہ بانی ندوۃ العلماء اور ندوۃ العلماء کی ابتدائی تاریخ کے اصل منبع مولوی عبدالرزاق صاحب کانپوری کو قعر گمنامی میں پہونچا دیا۔ اور ندوۃ العلماء کی بابت جریدۂ عالم پر پہلی تجویز ثبت کرنے والے اس عظیم سورما کے نام تک سے گریز کرنے کو اپنا شیوہ بنالیا۔

یہ بات کافی تشویشناک ہے کہ مولوی عبدالرزاق کانپوری کا ذکر خیر (جو کہ تحریک ندوۃ العلماء کے ساتھ روز اول سے وابستہ تھے جو اسکے پہلے اور دوسرے اجلاس میں شریک تھے، جو اس انجمن سے روداد نگار اور محاسب کی حیثیت سے وابستہ تھے جنہوں ندوۃ العلماء کے گیارہویں اجلاس میں کافی وزنی تقریر کرکے علامہ شبلی سے داد و تحسین لی تھی اور جنھوں نے تاسیس ندوۃ العلماء کی مختصر تاریخ لکھکر بانی ندوہ و محرک ندوہ کے اسم گرامی کو سدا کیلئے صفحہ قرطاس میں محفوظ کر دیا۔) نہ مولانا سید محمد الحسنی مرحوم کی کتاب سیرت مولانا محمد علی مونگیری بانی ندوہ میں ملتا ہے اور تاریخ ندوہ (حصہ اول حصہ دوم) ہی میں ان کا کہیں تذکرہ ہے۔ اسیطرح ڈپٹی عبدالغفور فتحپوری ___ کا نام تک جن کا تذکرہ رام بابو سکسینہ نے اپنی کتاب "اے ہسٹری آف اردو لٹریچر" مطبوعہ ۱۹۲۷ء میں کافی

---

[۳۴] ترجمہ تاریخ ادب اردو۔ رام بابو سکسینہ ص ۷۰۱، حصہ نثر (ترجمہ)

اہتمام سے کیا ہے، مذکورۃ السبق کتابوں میں سے کسی میں موجود نہیں ہے جبکہ ان کتابوں میں نہ جانے کتنے غیر معروف اور غیر اہم شخصیتوں کے نام مندرج ہیں۔

مولانا سید ظہور الاسلام صاحبؒ کی کتاب البرق اللامع والنور الساطع (جس میں ندوۃ العلماء کے مقاصد و فوائد اور اس میں شرکت کے قواعد مندرج ہیں اور جس میں بقول مؤلف" مدینہ منورہ کے علماء کرام اور حضرت شیخ المشائخ مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی اور علمائے پنجاب وبہار کے فتوے ندوۃ العلماء کی حقانیت پر ترتیب دیئے گئے ہیں"۔)

دار العلوم ندوۃ العلماء کے گرانمایہ اور وسیع کتب خانہ کے گوشۂ تحریک ندوہ میں یہ بنمبر $\frac{۱۵۴}{۵۲۹۲۹}$ محفوظ ہے لیکن اس کا بھی تذکرہ معرض بحث کتابوں میں کہیں نہیں ہے۔ ان امور سے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ مولوی عبد الرزاق کانپوری اور ڈپٹی عبد الغفور فتحپوری کو دانستہ طور پر سوچی سمجھی اسکیم کے تحت نظر انداز کیا گیا۔ تاریخ نویسی اور تاریخ سازی دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ تاریخ نویسی میں نتائج، واقعات و حقائق کے تابع ہوتے ہیں جبکہ تاریخ سازی میں واقعات و حقائق، خود ساختہ نتائج (نظریات) کے تابع بنا دیئے جاتے ہیں یعنی یا تو نتائج کی خاطر واقعات و حقائق اختراع کئے جاتے ہیں یا واقعات تاریخی سلسلہ کے مطابق نہیں دکھلائے جاتے بلکہ انہیں حسب منشائے خود مرتب کر کے دکھلایا جاتا ہے تاکہ اپنے مزعومہ کو تاریخی واقعہ بنایا جا سکے۔

"سیرت مولانا محمد علی مونگیری، بانی ندوۃ العلماء" پر تبصرہ کرتے ہوئے ہند و پاک کے وسیع اور گرانمایہ مجلّہ" معارف" اعظم گڑھ نے درست لکھا ہے کہ"۔ ان ابواب میں واقعات کو ایک خاص انداز سے ترتیب دیکر تحریک ندوۃ العلماء اور تاریخ دار العلوم ندوۃ العلماء کے سلسلے میں بعض ایسے نئے پہلوؤں کو سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے جو"حیاتِ شبلی"

کے مصنف کے علم میں تھے اور نہ ندوہ کے سالانہ جلسوں کی رودادوں ہی میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ ان ابواب کا مطالعہ کرتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کچھ مخصوص مزعومات واحساسات کو واقعات کا جامہ پہنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تاریخ نویسی نہیں ہے۔ تاریخ سازی ہے۔[۳۵]

"تاسیس ندوۃ العلماء کی مختصر تاریخ" کے ذیلی مندرجات کا افتتاحی جملہ کہ "رُوداد ندوۃ العلماء میں ہنوز یہ نہیں لکھا گیا ہے کہ اس اسلامی انجمن کا بانی کون ہے اور یہ خیال کس دماغ کا مرہون منت ہے لہٰذا میں اسکی مختصر تاریخ لکھتا ہوں تاکہ صفحات تاریخ میں درج رہے۔" بتلاتا ہے کہ ۱۹۴۶ء تک ندوہ کے بانی اور ندوہ کے محرک کا نام ندوۃ العلماء کی رُوداد میں مرقوم نہ تھا۔ مولوی عبدالرزاق کانپوری نے تاسیس ندوۃ العلماء کی مختصر تاریخ نویسی کے دوران بانی ندوہ کا نام اور ان کی ابتدائی کاوشوں کا ذکر خیر جریدۂ عالم پر اسلئے ثبت کر دیا تھا کہ کہیں بانی کا نام اور ان کے گرانمایہ کارنامے نسیان کی زد میں نہ چلے جائیں۔ کیونکہ ندوۃ العلماء کی آٹھ رکنی مشاورتی کمیٹی سے وابستہ جملہ اشخاص باستثنائے مصنف البرامکہ ایک ایک کر کے اللہ کو پیارے ہو چکے تھے لیکن حالات کی ستم ظریفی ملاحظہ فرمائیں کہ مولوی عبدالرزاق کی اس گرانقدر وضاحت کے باوجود ہوا وہی جس کا انہیں خدشہ تھا اور جس کے ازالہ کی خاطر انھوں نے شمس العلماء پروفیسر شبلی نعمانی کی بابت اپنے مشاہدات قلم بند کرتے ہوئے بطور حفظ ماتقدم تاسیس ندوۃ العلماء کی مختصر تاریخ کے ذیلی عنوان کے تحت ندوہ کی بنیاد سے متعلق اپنے ذاتی مشاہدات گیارہ صفحات میں محفوظ کر دیئے تھے۔ یہاں پر یہ بتلانا بے محل نہ ہوگا کہ مولوی صاحب نے اس ضمن میں صرف وہی واقعات حوالہ قرطاس کئے ہیں جو ان کی نگاہ میں اہم تھے اور جن میں وہ خود

---

۳۵ معارف اعظم گڑھ بابت جولائی ۱۹۶۵ء ص ۷۱، ۷۲، ۷۲

مشاہد کی حیثیت سے شریک تھے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے بنائے ندوہ سے منسلک احوال وکوائف کی تبیین کے علاوہ صرف پہلے دوسرے اور گیارہویں اجلاسوں کے مشاہدات کے بیان میں اپنے آپ کو محصور کر رکھا ہے۔

یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ مصنف البرامکہ مولوی عبدالرزاق کانپوری کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ رہی ہوگی کہ ان کی اس توضیح کے بعد بھی مولانا سید ظہورالاسلامؒ فتحپوری کے نام کے اوپر نہ صرف یہ کہ دبیز پردے ڈالنے کی کوشش کی جائے گی بلکہ بانئ ندوہ والی دستاران کے سر سے اتار کر مولانا محمد علی کانپوری ثم مونگیری کے زیب سر کردی جائے گی۔ جو اپنی نظامت کے دوران فرائض نظامت بھی مستعدی اور تندہی سے انجام نہیں دے سکے۔

واضح ہو کہ مولانا سید محمد علی کانپوری نے اپنی نظامت کے دوران انجمن ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاسوں میں سے کسی اجلاس کی روداد خود پڑھ کر نہیں سنائی بلکہ ان رودادوں کو ان کی جانب سے مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب اور علامہ شبلی نعمانی پڑھکر سناتے رہے۔ موصوف درجہ ابتدائی کے جشن افتتاح منعقدہ ۹ر جمادی الاولیٰ ۱۳۱۶ھ م ۲۶ ستمبر ۱۸۹۸ء کے موقعہ پر بھی غیر حاضر تھے اور رپورٹ منشی اطہر علی کو پڑھنی پڑی تھی۔ کیونکہ اس موقع پر اتفاقاً مولانا عبدالحی صاحب بھی حاضر نہ تھے۔

مولانا حکیم سید ظہورالاسلام صاحبؒ نے انجمن کی پہلی مشاورتی کمیٹی میں مولانا محمد علی کانپوری کو اس لئے بھی ناظم اوّل بنادیا تھا کیونکہ وہ آٹھ رکنی مشاورتی کمیٹی میں عمر کے اعتبار سے سب سے بزرگ تھے۔

ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس ۱۸۹۴ء میں منعقد ہوا اور ۱۸۹۵ء ہی میں

مولانا محمد علی کانپوری ثم مونگیری نے ندوۃ العلماء کے جلسہ انتظامیہ میں اپنے پہلے استعفیٰ کی پیش کش کر دی۔ اس قدر غیر فعال اور غیر مستغرق قسم کے انسانی فرد، اللہ کا نیک بندہ، فرشتہ خصلت انسان اور مرجع خلائق ولی تو ہو سکتا ہے لیکن کسی کارِ عظیم کا محرک یا کسی مہتم بالشان ادارے کا بانی قطعاً نہیں ہو سکتا۔

بابُ دوم

ندوۃ العُلماء کا اصل بانی

"ندوۃ العلماء" پر ابتک جو مضامین، مقالے، اور کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں بانی ندوہ کی بابت تین نظرئیے ملتے ہیں۔

(۱) بانی ندوہ مولانا حکیم سیّد محمد ظہور الاسلام صاحبؒ فتحپوری ہیں۔

(۲) بانی ندوہ مولانا سیّد محمد علی کانپوری ثم مونگیری ہیں۔

(۳) بانی ندوہ کئی شخصتیں ہیں۔

اصل موضوع پر بحث کرنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے 'بانی' لفظ کی لغوی تشریح پر ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ حقیقت تک پہونچنے میں آسانی ہو۔

"بانی۔ ع۔ اسم مذکر (۱) بنیاد ڈالنے والا۔ بنانیوالا۔ بناکرنے والا (۲) شروع کرنیوالا۔ ابتدا کرنیوالا۔ آغاز کنندہ۔ موجد۔ مخترع (۳) سرچشمہ مصدر۔ منبع۔ نکاس۔ اصل (۴) باعث۔ سبب[1] ـــــــ"

---

[1] فرہنگ آصفیہ جلد اول ص ۳۶۱ مؤلفہ خان صاحب مولوی سیّد احمد دہلوی۔ نیشنل اکاڈمی انصاری مارکٹ دریا گنج دہلی۔

" بانی ۔ ع ۔ صفت ۔ مذکر، بنیاد ڈالنے والا ۔ ایجاد کرنے والا باعث، سبب ۔ ذریعہ "[2]

" بانی [ع ۔ صف ۔ وا ۔ مذ] بنیاد رکھنے والا (۲) شروع کرنے والا ۔ موجد[3] ______ "

"A Bani, n. m. بنی He built it

(1) Builder, Author; Parent; founder; Originator; framer; Composer; Inventor.

(2) Source; root; spring; main spring.

(3) Instigator, beginner, Primer-Mover"(4)

Bani-" a builder, an architect, a Composer, author, founder. a. " (5)

---

[2] نور اللغات مؤلفہ ۔ مولوی نور الحسن صفحہ ۱۵۵ کالم ۲ ترقی اردو بیورو نئی دہلی۔

[3] فیروز اللغات جامع ۔ الحاج مولوی فیروز الدین ص ۸۰ کالم ۱ دار الاشاعت اسلامیہ ۱۷۷ کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ ۳

[4] اے نیو ہندوستانی انگلش ڈکشنری: ایس ۔ ابن فیلن ص ۲۱۶؛ کالم ۱

[5] ڈکشنری، ہندوستانی اینڈ انگلش اردو ہندی ان ٹو انگلش: ڈنکن فاربس ایل ایل ۔ ڈی؛ ص ۹۴؛ کالم نمبر ۲

اس طرح بانی کی لغوی تشریح سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ چونکہ بانی وہ شخصیت ہے جس کے ذہن میں اغراض و مقاصد کے ساتھ کوئی خاکہ آتا ہے اسلئے بانی صرف ایک شخصیت ہوتی ہے اسکے مؤیدین معاونین یا ادارہ کے اراکین ایک دو نہیں لاتعداد ہو سکتے ہیں اس لئے مالک رام صاحب کا "تذکرہ ماہ و سال" میں مولانا حکیم سید ظہور الاسلام صاحب کو "یکے از بانیان ندوۃ العلماء"[۵۶] لکھنا نادرست ہے۔

بانی و بانیان کے سلسلے میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، اور تاریخ ندوہ جلد اول و جلد دوم کے مصنفین مولانا محمد اسحاق جلیس ندوی اور مولوی شمس تبریز خان نیز دیگر متعلقین ندوہ کا رویہ بھی حیرت خیز اور تعجب افزا ہے۔ یہ بھی حضرات مولانا سید محمد علی کانپوری ثم مونگیری کو بانی ندوہ مانتے ہیں لیکن ساتھ ہی "بانیان ندوہ" کی ترکیب بھی استعمال کرتے ہیں۔

"بانی" کی بابت راقمین کے اس نظریہ کی تائید کہ بانی صرف ایک شخصیت ہوتی ہے روئداد ندوۃ العلماء حصہ اول بابت اجلاس اول میں منقول فہرست نمبر ا میں پندرھویں نمبر پر مندرج مولوی محمد فخرالدین صاحب مہاجر مدینۂ منورہ زادہا اللہ شرفاً کی منقولہ رائے سے بھی ہوتی ہے جو ذیل میں بعینہٖ نقل کی جاتی ہے۔

> "اس کاغذ کے دیکھنے سے جو بحسب مراد عاجز کے ہے۔ نہایت خوشی ہوئی اور دل سے دعائے خیر بانی بتجویز اور اس امر خیر کے ساعیوں کے واسطے کرتا ہوں اور جو کچھ اس باب میں میرے کرنے کا کام ہوگا اس میں کبھی انشاء اللہ تعالیٰ کوتاہی نہ کروں گا۔ حق سبحانہ تعالیٰ ببرکۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نیک کام کو جس کا مذکور اس کاغذ میں

---

۵۶ تذکرہ ماہ و سال، مالک رام ص ۲۵۵ کالم نمبر ا مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ نئی دہلی اشاعت نومبر ۱۹۹۱ء

ہے بحسن سعی صاحبان خیر و ہمت کے بخوبی تمام انجام کو پہنچائے۔

المرقوم نہم محرم الحرام ۱۳۱۱ھ مقام مدینہ منورہ علی صاحبہا افضل التسلیم و التکریم محمد فخرالدین ہندی مہاجر؎۶

اس طرح اب صرف دو نظریئے رہ گئے۔

(۱) بانی ندوہ مولانا حکیم سید ظہورالاسلام صاحبؒ فتحپوری ہیں۔

(۲) بانی ندوہ مولانا سید محمد علی کانپوری ثم مونگیری ہیں۔

مولوی عبدالرزاق کانپوری نے ندوۃ العلماء کا بانی و محرک مولانا سید حکیم ظہورالاسلام صاحب فتحپوری کو بتلایا ہے۔ جبکہ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے اپنے ایک مکتوب میں مولانا سید محمد علی کانپوری کو بتلایا ہے۔

اول الذکر نظریئے کو ڈاکٹر فرمان فتحپوری؎۷، ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری اور مولوی نجیب اصغر

؎۶ روداد ندوۃ العلماء حصہ اول بابت اجلاس اول ص ۱۲۰-۱۲۱

؎۷ ڈاکٹر سید دلدار علی فرمان فتحپوری اردو کے ممتاز محقق، مایہ ناز نقاد اور املا و رسم الخط کے ماہر ہیں۔ اب تک آپ کی تقریباً چالیس کتابیں اشاعت پذیر ہو چکی ہیں۔ آپ کی پیدائش ہیت پور ضلع فتحپور میں ۲۶ جنوری ۱۹۲۶ء کو ہوئی آپکے والد سید عاشق علی پولیس انسپکٹر تھے۔ آپنے ہائی اسکول کا امتحان مسلم انٹر کالج فتحپور سے ۱۹۴۶ء میں نمایاں طور پر پاس کیا۔ انٹر کا امتحان ۱۹۴۸ء میں بی۔ اے کا امتحان آگرہ یونیورسٹی سے ۱۹۵۰ء میں پاس کیا اور اسی سال ہندوستان کو خیرباد کہکر پاکستان تشریف لے گئے۔ آپنے کراچی یونیورسٹی سے ایل ایل۔ بی کی ڈگری ۱۹۵۳ء میں اور بی ٹی کی ڈگری ۱۹۵۵ء میں حاصل کی۔ آپنے کراچی یونیورسٹی ہی سے ۱۹۵۸ء میں ایم۔ اے اردو کا امتحان فرسٹ ڈویژن اور فرسٹ پوزیشن میں پاس کیا اور اسی یونیورسٹی سے بحیثیت استاد اردو منسلک ہو گئے۔ آپنے جامعہ کراچی سے ۱۹۶۴ء میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی اور ۱۹۷۴ء میں ڈی۔ لٹ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ آپنے کراچی یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں ترقی کے تمام مدارج طے کئے۔ آپ اسسٹنٹ پروفیسر ایسوسی ایٹ پروفیسر اور پھر پروفیسر کے عہدے پر فائز ہوئے اور شعبہ کے صدر کی حیثیت سے بھی آپنے کافی عرصہ تک کام کیا۔ ۱۹۸۵ء میں اردو ڈکشنری بورڈ میں مدیر اعلیٰ اور سکریٹری کے اہم عہدے پر آپ کا تقرر ہوا اور آج تک اسی عہدے پر فائز ہیں۔ (باقی ص ۵۷ پر)

فتحپوری نے حتمی طور پر درست مانا ہے۔ ثانی الذکر نظریہ کو مفکر اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی و مولانا سید محمد الحسنیؒ اور دیگر اراکین ندوہ نے درست سمجھا ہے اور اس کی زبردست تشہیر کی ہے۔

مولانا سید محمد الحسنی کی کتاب "سیرت مولانا محمد علی مونگیری، بانی ندوۃ العلماء" ابھی حال میں راقمین کے نظر نواز ہوئی جس کے مطالعہ کے بعد راقمین کو یہ ادبی احتیاج محسوس ہوئی کہ اس دعویٰ کی تائید و توثیق میں کہ ندوۃ العلماء کا خیال اولاً مولانا ظہور الاسلام صاحب کے ذہن میں پیدا ہوا اور موصوف ہی نے اس خیال کو قوت سے عمل میں لانے کی انتھک کوشش کی اور اپنے خلوص نیت کے باعث اپنے مقصد میں کامیابی بھی حاصل کی، چند سطور حوالہ قرطاس کی جائیں تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے لہٰذا چند باتیں شکوک و شبہات اور تلبیسات و اشکالات کے ازالہ کی خاطر ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔

راقمین اپنے نظرئیے کی درستگی، حقانیت، صداقت اور قطعیت کو ثابت کرنے کیلئے دونوں نظریوں کے منابع کی شخصیت اور ان کی استنادیت سے بحث کر کے اصلیت کو منظر عام پر لانے کی کوشش کریں گے۔

مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی صاحب کی پیدائش ۲۸ شعبان ۱۲۸۳ھ م ۱۸۶۶ء میں اور وفات بہ عمر چھیاسی ۸۶ سال (قمری لحاظ سے) بتاریخ ۱۱ اگست ۱۹۵۰ء میں ہوئی۔ مولانا کی بابت ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ وہ لائق اعتماد حافظہ کے مالک نہ تھے۔

(باقی حاشیہ) آپ نے علامہ نیاز فتحپوری کے رسالہ "نگار" میں ۱۹۶۲ء سے بطور نائب مدیر کام کرنا شروع کیا اور ۲۴ مئی ۱۹۶۶ء سے نیاز کی رحلت کے بعد "نگار" کے مدیر اعلیٰ ہو گئے۔ (ماخوذ) از اشاریہ ڈاکٹر خلیق انجم مشمولہ کتاب نما کا خصوصی شمارہ ڈاکٹر فرمان فتحپوری شخصیت اور ادبی خدمات ص ۵ ماہنامہ کتاب نما دہلی

مولانا سید سلیمان ندوی[2] رقم طراز ہیں:

"ان کے قویٰ میں سب سے پہلے ان کے حافظہ نے جواب دیا۔ اکثر بات بھول جاتے۔ جب کاروانِ خیال نکلا تو اس میں مولانا ابوالکلام کے جواب میں ان کا بیان پڑھکر مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ "ہاں مجھے یاد ہے کہ دونوں نوجوان ابوالنصر آہ اور ابوالکلام آزادؔ نمایاں ہوئے تھے۔ اسی سلسلہ میں سنا کہ آپ بغداد چلے گئے۔ تفصیلات اب معلوم ہوئیں"۔ میں نے انھیں لکھا کہ یہ صحیح ہے کہ سفر عراق پر ۱۹۰۶ء میں دونوں جوان عراق کے سفر کو نکلے تھے جن میں سے ایک ابوالنصر غلام یاسین (مولانا ابوالکلام کے بڑے بھائی) تھے۔ ابوالکلام نہیں تھے۔ ان کے رفیق اس سفر میں حافظ عبدالرحمٰن امرتسری تھے اور اس وقت مولانا ابوالکلام امرتسر میں وکیل کے ایڈیٹر تھے۔ بیچارے ابوالنصر نے عراق میں انتقال کیا۔ ہندوستان خبر آئی تو مولانا ابوالکلام نے وکیل میں اپنے حزن وغم کا اظہار فرمایا۔ آخیر میں میں نے لکھا کہ آپ کے اسطرح تصدیق کر دینے سے افسانہ بھی تاریخ بن جائیگی۔ اس پر مرحوم نے خاموشی اختیار کی اور کچھ جواب نہیں دیا۔ یہ ان کی خاص عادت تھی کہ جس بات پر گفتگو کرنا نہیں چاہتے اس کے جواب سے اعراض کرتے اس سے

---

[2] مولانا کی پیدائش ۲۳ صفر ۱۳۰۲ھ م ۲۲ نومبر ۱۸۸۴ء کو دسینہ ضلع پٹنہ (بہار) میں ہوئی اور وفات ۱۴ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ م ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء کو کراچی پاکستان میں ہوئی۔ آپ ۱۹۵۲ء کے مارچ میں ڈھاکہ سے کراچی واپسی پر چند دنوں کیلئے فتحپور میں مقیم ہوئے تھے جہاں آپکے منجھلے داماد جناب سید حسین ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی حیثیت سے تعینات تھے۔ آپ کی گنتی انجمن ندوۃ العلماء کے خاص ارکان میں ہوتی ہے۔ آپنے ندوۃ العلماء کی ترقی کیلئے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ راقم

ان کے اداشناس ان کے مطلب کو سمجھ جاتے ۸؎

اس اقتباس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) مولانا حبیب الرحمٰن شروانی جب سن رسیدہ ہوئے اور ان کے قویٰ مضمحل ہونے لگے تب سب سے پہلے ان کے حافظہ نے جواب دیا۔

(۲) وہ اپنی غلطی کا ازالہ نہ کرتے تھے بلکہ خاموش ہوجاتے تھے جبکہ ان کی عظمت وجلالت اس حد تک غلط فہمی پیدا کرسکتی تھی کہ افسانہ بھی تاریخ بن جائے۔

مولانا عبدالرزاق کانپوری مصنف البرامکہ کی پیدائش ۱۸۶۶ء میں ۹؎ اور وفات بعمر چوراسی سال (قمری لحاظ سے) ۱۸ فروری ۱۹۴۸ء کو بمقام بھوپال اپنی نواسی (سعیدہ بانو) کے گھر میں ۲ بجے رات کو ہوئی ۱۰؎۔ مولوی عبدالرزاق کانپوری اور مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کی ولادت ایک ہی سنہ میں ہوئی لیکن مقدم الذکر مؤخر الذکر سے تقریباً ڈھائی سال پیشتر فوت ہوئے۔ مولوی عبدالرزاق کا حافظہ کافی قوی تھا بقول مولانا سید سلیمان ندوی "ضعف عمر کے سبب سے کمزور بھی ہوگئے تھے تاہم کچھ نہ کچھ لکھتے پڑھتے رہتے تھے۔ آخیر تصنیفات تاریخ اسلام وغیرہ کے مسودات ان کے وارثوں کے پاس ہیں۔ اور عجب نہیں کہ وہ ان کو شائع کریں ۱۱؎۔" مولوی عبدالرزاق کانپوری محققانہ ذہن کے مالک تھے اور ان کا طریقہ کار بھی آج کے اصول تحقیق کے مطابق تھا۔ البرامکہ کی تیاری میں ان کا شغل ملاحظہ ہو۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

۸؎ یادرفتگاں۔ سید سلیمان ندوی ص ۱۹۴، ۲۰۴ مطبع معارف اعظم گڑھ طبع دوم ۱۴۰۷ھ ۱۹۸۶ء

۹؎ مولانا عبدالرزاق کانپوری از سعیدہ بانو مضمون مشمولہ فکر و نظر نامورانِ علی گڑھ تیسرا کارواں (جلد اول) بابت جنوری ۸۸ تا جولائی ۱۹۸۸ء ص ۵۵

۱۰؎ یادرفتگاں ص ۲۵۷ ۱۱؎ یادرفتگاں ص ۳۶۰

"۔ منشی عبدالرزاق صاحب جیساکہ وہ اسوقت کہلاتے تھے
البرامکہ لکھ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فطری مذاق بخشا
تھا اور حیات سعدی والمامون وغیرہ سے اردو میں سوانح
نگاری کی ایک طرح پڑچکی تھی۔ مرحوم عربی تاریخی اور ادبی
کتابوں کو لفظ لفظ دیکھتے تھے اور جہاں "برامکہ" یا "برمکی"
کا لفظ دیکھتے نشان لگا دیتے تھے اور بعد کو اس کا مطلب
سمجھ کر اسکو اردو میں لکھ دیتے[12] ____"

مولانا سید سلیمان ندوی کو موصوف کے حافظہ پر اتنا اعتماد تھا کہ اکابر و مشاہیر فن کے حالات قلم بند کروانے میں مولانا کا ذہن موصوف ہی کی طرف گیا۔ چنانچہ مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"۔ میں نے ان سے خواہش کی تھی کہ اپنے زمانے کے دیکھے ہوئے بزرگوں
اور ان کی محفلوں کے مشاہدات یکجا کر دیں۔ چنانچہ اس زمانے
میں جب سر راس مسعود بھوپال میں وزیر تعلیم ہو کر آئے۔ انھوں نے
اپنے مشاہدات کو قلم بند کیا اور وہ سلسلہ کسی مقامی پرچہ میں
چھپتا رہا، بعد میں ان مطبوعہ اوراق کو میرے پاس بھیجا کہ میں
انھیں مطبع معارف سے شائع کروں مگر یہ دوسری جنگ
عظیم کا زمانہ تھا، کاغذ کی نایابی سے وہ ہمارے یہاں نہ چھپ
سکا اور مؤلف کو واپس کر دیا گیا۔ سنا ہے کہ وہ حیدرآباد
دکن سے چھپ کر شائع ہوا[13] ____"

---

[12] یادرفتگاں ص ۲۵۸ [13] یادگار رفتگاں ص ۲۵۹

واضح ہو کہ یہ مسودہ "یادِ ایام" کا ہے جو عہد آخریں برقی پریس میں طبع ہو کر عبد الحق اکاڈمی حیدرآباد سے دسمبر ۱۹۴۶ء میں شائع ہو چکا ہے۔

مذکورۃ السبق اقتباسات سے تین باتیں سامنے آئیں:

(۱) مولوی عبد الرزاق کانپوری کا حافظہ باوجود کبر سنی کے اس قدر قابل اعتماد تھا کہ سید سلیمان ندوی جیسے شخص نے جس نے مولانا شروانی کے حافظہ کو کبر سنی میں ناقابلِ اعتبار بتایا ہے اور اس کی مثال بھی دی، مولوی عبد الرزاق کانپوری کے حافظہ میں اتنی قوت پائی کہ ان سے ان کے مشاہدات کو صفحاتِ قرطاس میں محفوظ کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

(۲) مولوی عبد الرزاق کانپوری اپنی زندگی کے آخری ایام تک لکھنے پڑھنے کا کام کرتے رہے۔

(۳) مولوی عبد الرزاق صاحب موادِ تحقیق کو بڑی دیانتداری لفظاً لفظاً پڑھتے اور محفوظ کرتے تھے۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سید سلیمان ندوی کی تحقیقی و تنقیدی صلاحیتوں کی بابت چند سطور حوالہ قرطاس کر دی جائیں۔ آپ کی علمی تحقیق کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ، رقمطراز ہیں:

"۔۔ ان کی علمی تحقیق، تنقیدی تحقیق و جستجو کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ان کی تحقیقات نے بڑے معرکے سر کئے۔ بڑے انکشافات کئے اور اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے دفاع کا حق ادا کر دیا۔ ان کی ساری ہی کتابیں تحقیق کے اونچے معیار پر پوری اترتی ہیں[۱۴]______"

[۱۴] تاریخ ندوۃ العلماء حصہ دوم مولوی شمس تبریز خاں ص ۴۸۳، ۴۸۴ دفتر نظامت ندوۃ العلماء لکھنؤ بار اول سنہ ۱۹۸۴ء

علامہ اقبالؔ نے اپنے ایک مکتوب میں آپ کی بلند و بالا شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ہے ——— "آج سید سلیمان ندوی ہماری علمی زندگی کے سب سے اونچے زینے پر ہیں۔ وہ عالم ہی نہیں امیر العلماء ہیں، مصنف ہی نہیں رئیس المصنفین ہیں ان کا وجود علم و فضل کا دریا ہے جس سے سینکڑوں نہریں نکلتی ہیں اور ہزاروں سوکھی کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں[۱۵] ———"

واضح ہو کہ "تاسیس ندوہ کی مختصر تاریخ" کے ذیلی عنوان میں مولوی عبدالرزاق صاحب کانپوری نے جو کچھ بھی اپنے مشاہدات بیان کئے ہیں، وہ یاد ایام کے صفحات میں ص ۱۰۲ سے ص ۱۱۲ تک مندرج ہیں۔

"تاسیس ندوہ کی مختصر تاریخ کا ذیلی عنوان "یاد ایام" کے شمس العلماء پروفیسر شبلی نعمانی والے مضمون میں مشمول ہے۔ شبلی نعمانی کی بابت جو مشاہدات قلم بند کئے ہیں وہ ص ۶۰ سے شروع ہو کر ص ۷۰ پر ختم ہوتے ہیں یعنی یہ مضمون ۸ صفحات کو محیط ہے۔

معروضات ماسبق سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مولوی عبدالرزاق کانپوری کا بیان مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی کے بیان کے مقابلے میں زیادہ مستند ہے۔

"یاد ایام" کا اسلوب اور مشاہدات کو صفحات قرطاس میں مقید کرنے کا انداز بتلاتا ہے مولوی صاحب نے مشاہدات کہیں محفوظ کر رکھے تھے خواہ وہ ڈائری کی شکل میں رہے ہوں یا یادداشت کی شکل میں۔

راقمین نے علاوہ روایتی اور درایتی کسوٹی کے مولوی صاحب کی دیانتداری اور ان کی راست گوئی کو خود بھی تقویم کے سہارے پرکھا ہے اور ان کو سچا اور امانت دار پایا ہے۔ صرف ایک مثال ملاحظہ ہو۔ تقویم میں یکم شوال ۱۳۱۱ھ کو اپریل ۱۸۹۴ء کی سات تاریخ تھی

---

[۱۵] مکتوب اقبال در ۱۹۳۳ء میں ریاض کراچی سلیمان نمبر ص ۱۲۲

اس حساب سے ۱۵، ۱۶، ۱۷ شوال ۱۳۱۱ھ کو ۱۸۹۴ء کی ۲۲، ۲۳، ۲۴ اپریل کی تاریخیں ہوئیں۔ ان تاریخوں کو یکشنبہ، دوشنبہ، سہ شنبہ بطور دن تھے۔

مولوی عبدالرزاق کانپوری نے یادِ ایام کے صفحہ ۱۰۵ میں لکھا ہے:

"ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس۔ یہ اجلاس ۱۵ لغایۃ ۱۷ شوال ۱۳۱۱ھ ۲۲ اپریل لغایۃ ۲۴ اپریل ۱۸۹۴ء میں بمقام کانپور بڑی شان سے منعقد ہوا"

اسیطرح راقمین نے یادِ ایام کی کم از کم بجاس تاریخیں تقویمات سے جانچی اور پرکھی ہیں۔ تاریخ کی متعدد کتابوں کے مطالعہ کے بعد بھی یادِ ایام میں کوئی واقعاتی غلطی نہیں ملی اس لحاظ سے بھی یادِ ایام کا مصنف قابلِ اعتبار اور مستند قرار پاتا ہے۔ تاسیس و بنائے ندوہ کے بابت کھلی بات یہ ہے کہ ندوۃ العلماء کا خیال مولانا سید ظہورالاسلام صاحب فتحپوری کے ذہن میں چند اغراض و مقاصد کے ساتھ آج سے تقریباً اکیسو چار سال پیشتر پیدا ہوا تھا جس کا اظہار آپنے ۱۸۹۱ء میں کیا تھا اور اسکو عوامی تحریک بنانے کی غرض سے اس سے متعلق ایک رزولیوشن بمقام علی گڑھ اواخر دسمبر ۱۸۹۱ء میں ایجوکیشنل کانفرنس کے جلسۂ مشاورت میں رکھوایا تھا۔ اس خیال کو ندوۃ العلماء کا نام مدرسہ فیض عام کانپور کے اس جلسۂ دستار بندی میں ملا جس کا انعقاد ۱۸۹۲ء میں ہوا تھا اور اسی جلسہ میں مولانا محمد علی کانپوری کو اس انجمن ندوۃ العلماء کا ناظم اول مقرر کیا گیا۔ ناظم اول کے فقرے ہی نے مستقبل میں تلبیساً بانی ندوۃ العلماء کا اہم فقرہ بھی حاصل کر لیا۔ اردو ادب کے غیر جانبدار اور قابلِ اعتنا مؤرخین میں رام بابو سکسینہ پہلے مؤرخ ہیں جنھوں نے ندوۃ العلماء کی تحریک، اسکی بنیاد، اسکی غرض و غایت نیز اسکے وقیع کارناموں پر قدرے تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ اس سے پیشتر کہ تحریک و بنائے ندوہ کی بابت ان کے بیان کا تنقیدی جائزہ

لیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اس بیان کو نقل کر دیا جائے۔ رام بابو سکسینہ A History of Urdu literature میں ذیلی عنوان stay at Lucknow Nadwat-ul-Ulema کے تحت یوں رقم طراز ہیں :

"The institution of Nadwat-ul-Ulema was founded in 1894 A.D.in order to revise and reform the curricula of the Arabic schools and to remove the dissensions prevailing amongst the Ulemas or divines of the MOhammadans. The idea originated with Moulvi Abdul Ghafoor, Deputy Collector, and a society with the name of Nadwat-ul-Ulema was founded mainly through the exertions of Moulana Mohammad Ali of Cawnpore who was its first Secretary and the most enthusiastic worker."
(A History of Urdu literature by Ram Babu Saksena Page No. 290 Allahabad Ram Narain Lal Publisher & Book Seller, Second Edition 1940.)

ترجمہ : "ادارہ ندوۃ العلماء کی بنیاد عربی مدارس کے نصاب میں ترمیم و اصلاح اور علماء یا مسلمانوں کے فضلائے الٰہیات کی باہمی مناقشت کو رفع کرنے کی غرض سے ۱۸۹۴ء میں رکھی گئی۔ اس خیال کے موجد مولوی عبدالغفور ڈپٹی کلکٹر تھے اور مولانا محمد علی کانپوری کی خصوصی کوششوں سے جو کہ اس انجمن کے ناظم اول اور پرجوش سپاہی تھے ایک انجمن ندوۃ العلماء کے نام سے قائم کی گئی۔"
رام بابو سکسینہ کی متذکرہ بالا عبارت سے حسب ذیل آٹھ باتیں معلوم ہوئیں :

(۱) انجمن ندوۃ العلماء کی بنیاد ۱۸۹۴ء میں رکھی گئی۔

ط۱ A history of Urdu literaure. Page No. 290.

(۲) اس انجمن کی غرض وغایت تھی (الف) عربی مدارس کے نصاب میں ترمیم و اصلاح کرنا اور (ب) علمائے مسلین کے باہمی نزاعات کو رفع کرنا۔

(۳) ندوۃ العلماء کا خیال مولوی عبدالغفور ڈپٹی کلکٹر کے ذہن کی پیداوار تھا۔

(۴) انجمن ندوۃ العلماء کے قیام میں مولانا محمد علی کانپوری کی کوششوں کو خصوصی دخل حاصل تھا۔

(۵) مولانا محمد علی اس انجمن کے ناظم اول تھے۔

(۶) مولانا محمد علی کانپوری اسکے پر جوش سپاہی تھے۔

(۷) مولانا محمد علی کانپوری ہیں اکتاب میں Moulana Mohd.Ali of Cawnpore. مندرج ہے۔ رام بابو سکسینہ کی کتاب کا سنہ طباعت سنہ ۱۹۲۷ء ہے اور یہی مولانا محمد علی کانپوری کی مونگیر میں وفات کا سنہ بھی ہے)

(۸) انجمن ندوۃ العلماء کے بانی کا نام کتاب میں درج نہیں ہے۔ (متعلقہ جملہ ماضی معروف میں نہیں؛ بلکہ ماضی مجہول میں لکھا گیا ہے)

رام بابو سکسینہ کے مندرجہ بالا بیان میں متعدد تاریخی غلطیاں ہیں جو مع اصلاح ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) انجمن ندوۃ العلماء کی باقاعدہ بنیاد سنہ ۱۸۹۴ء میں نہیں بلکہ سنہ ۱۸۹۲ء میں رکھی گئی۔ سنہ ۱۸۹۴ء میں اسکا پہلا اجلاس بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منعقد ہوا۔ اور سنہ ۱۸۹۸ء میں مدرسہ ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی گئی۔

(۲) ندوۃ العلماء کے اغراض و مقاصد دو نہیں تین تھے (۱) مذہبی اصلاح (۲) قدیم مشرقی تعلیم (درس نظامی) کی اشاعت (۳) تحفظ اسلام

(۳) انجمن ندوۃ العلماء کے محرک مولوی عبدالغفور ڈپٹی کلکٹر نہیں بلکہ مولانا سید

ظہور الاسلام فتحپوری تھے جنہوں نے اس انجمن کی بابت مولوی عبد الغفور ڈپٹی کلکٹر مذکور کے مکان موقوعہ محلہ قضیانہ شہر فتحپور میں موصوف سے صلاح ومشورہ کے بعد اپنے ایک شاگرد مولوی عبدالرزاق کانپوری کے ذریعہ ایجوکیشنل کانفرنس کی ۲۶ دسمبر ۱۸۹۱ء کی شب کی مجلس مشاورت میں بہ مقام علی گڑھ یہ رزولیشن رکھوایا کہ کانفرنس مذکور اپنے جلسوں کے ساتھ اس انجمن کا بھی انعقاد کیا کرے لیکن جب یہ تجویز پاس نہ ہوسکی تو مولانا موصوف نے ۱۸۹۲ء کے اوائل میں ان ہی مولوی عبد الغفور کے پاس کانپور جاکر جہاں وہ بحیثیت ڈپٹی کلکٹر تعینات تھے از سر نو صلاح ومشورہ کیا اور کانپور میں ایک مشاورتی کمیٹی کی تشکیل کی۔ آپ نے اس کمیٹی کے ماہانہ جلسوں کا باقاعدہ آغاز کیا اور جب مدرسہ فیض عام کانپور کا جلسہ دستاربندی ۱۸۹۲ء میں انعقاد پذیر ہوا تو اس جلسہ میں شریک علماء کے مابین آپ ہی نے بذریعہ تجاویز پاس کرایا کہ اس انجمن کا نام ندوۃ العلماء رکھا جاتا ہے اسکے ناظم مولانا محمد علی مقرر کئے جاتے ہیں اور اس انجمن کا باقاعدہ اجلاس مدرسۂ فیض عام کے اگلے سال کے جلسۂ دستاربندی کے ساتھ ہوگا۔

(۴) انجمن ندوۃ العلماء کے قیام میں مولانا سید محمد علی کانپوری کی نہیں بلکہ مولانا سید ظہور الاسلام فتحپوری کی کوششوں کو خصوصی دخل حاصل تھا۔

(۵) مولانا محمد علی کانپوری اس انجمن کے کبھی بھی پرجوش سپاہی نہیں رہے۔ مولانا محمد علی موصوف نے اس انجمن کے پہلے اجلاس منعقدہ ۱۸۹۴ء کے ایک سال بعد کے بعد ہی یعنی ۱۸۹۵ء سے استعفیٰ پیش کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اپنی فطری مجہولیت اور جسمانی ضعف وعلالت کی بنا پر کبھی بھی انجمن کے

فعال رکن نہیں رہے اور نہ انھوں نے فرائض نظامت ہی تندہی اور ذمہ داری سے نباہے۔ انھوں نے اپنی نظامت کے دوران ندوۃ العلماء کے اجلاسوں میں اسکی رپورٹیں بھی خود پیش نہیں کیں۔ موصوف کو انجمن ندوۃ العلماء کے آغاز کے کچھ ہی دنوں بعد سے مددگار ناظم . . . . کی ضرورت پیش آئی جس کی باقاعدہ تجویز ۱۸۹۵ء میں رکھی گئی اور مولانا حکیم سید عبدالحیٔ صاحب مددگار ناظم منتخب ہوئے جو نظامت کی ساری ذمہ داریاں بڑے تندہی سے بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔

رام بابو سکسینہ کے اس بیان میں متذکرہ بالا اغلاط اسلئے در آئے کیونکہ ندوۃ العلماء کی بابت ان کا دائرہ علم کافی محدود تھا اور مولوی عبدالرزاق کانپوری کی یاد ایام کو منظر عام پر آنے میں تقریباً ۱۹ سال باقی تھے۔

رام بابو سکسینہ نے اپنے ماخذ کی کوئی نشاندہی نہیں کی اور نہ اپنے بیان کی تائید و توثیق میں کوئی دلیل ہی پیش کی۔ موصوف ندوۃ العلماء کے قیام بلکہ اسکے پہلے اجلاس کے انعقاد کے لگ بھگ دو سال بعد ولادت پذیر ہوئے[۵]۔ ندوۃ العلماء کی بناؤ تحریک سے متعلق ان کی معلومات ذاتی نہیں ہیں جبکہ مولوی عبدالرزاق کانپوری کی اس سلسلہ کی ساری معلومات ذاتی اور ان کے اپنے مشاہدات پر مبنی ہے۔ مولوی صاحب ندوۃ العلماء کی تحریک میں روز اول سے منسلک تھے۔ علاوہ بریں رام بابو سکسینہ کا محولہ بالا بیان اسلئے بھی مستند نہیں کیونکہ اس بات پر سبھی مورخین ندوہ متفق ہیں کہ انجمن ندوۃ العلماء کا باقاعدہ قیام ۱۸۹۲ء میں ہو چکا تھا اور رام بابو سکسینہ نے اسکے قیام کا سنہ ۱۸۹۴ء تبلایا ہے۔

---

۵ رام بابو کی ولادت بیپر ضلع فرخ آباد میں ۲۷ دسمبر ۱۸۹۶ء اور وفات میرٹھ ریلوے اسٹیشن پر شنبہ ۲۰ دسمبر ۱۹۵۷ء کو ہوئی۔ تذکرہ ماہ و سال ص ۱۶۲

رام بابو سکسینہ نے "تاریخ ادب اردو" انگریزی زبان میں لکھی تھی اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ مرزا محمد عسکری نے کیا۔ موصوف مصنف کے عندیہ کو قاری تک لے کام وکاست پہونچانے میں ناکام رہے۔ اسلئے اس ترجمہ کی وجہ سے بھی کافی غلط فہمیاں پھیل گئیں۔ مثال کے طور پر رام بابو سکسینہ کے منقولہ بالا اصل انگریزی متن کا وہ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں جو مرزا عسکری صاحب کا کیا ہوا ہے۔

ترجمہ مرزا عسکری: ندوۃ العلماء

ندوۃ العلماء کا قیام ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۴ء میں ہوا تھا۔ اس کے قیام کی غرض اصلی یہ تھی کہ عربی مدارس کے لئے ایک مفید نصاب تعلیم ضروریات زمانہ کا لحاظ رکھکر بنایا جائے نیز یہ کہ مسلمانان ہندوستان کے آپس میں یا ان کی جماعتوں میں جو جو اختلافات ہیں وہ رفع کئے جائیں۔ اس عمدہ خیال کے محرک مولوی عبدالغفور ڈپٹی کلکٹر تھے، مگر اس کی تکمیل مولوی سید محمد علی کانپوری خلیفہ حضرت مولانا فضل رحمٰن مرادآبادی کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی جو اسکے بانی اور ناظم اول تھے[۱]

اب اصل متن اور ترجمہ کے تفاوت کو ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اصل متن میں صرف عیسوی سنہ مرقوم ہے ترجمہ میں ہجری سنہ کا اضافہ کر کے عیسوی سنہ کو اسکے تابع بنا دیا گیا ہے۔

(۲) اصل متن میں عربی مدارس کے نصاب میں اصلاح و ترمیم کی بات کی گئی ہے جبکہ ترجمہ میں اسکو بدل کر عربی مدارس کے لئے ایک مفید نصاب تعلیم جو ضروریات زمانہ کا لحاظ رکھ کر بنایا جائے کر دیا گیا۔

---

[۱] ترجمہ تاریخ ادب اردو۔ مترجم مرزا عسکری حصہ نثر، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ، دوسری بار فروری ۱۹۲۹ء

(۳) اصل متن میں علماء یا مسلمانوں کے فضلائے الٰہیات کی باہمی منافست کو رفع کرنے کا ذکر ہے۔ ترجمہ میں مسلمانان ہندوستان کے آپس میں یا ان کی جماعتوں میں جو اختلافات ہیں وہ رفع کیے جائیں۔ کہا گیا ہے۔

(۴) اصل متن میں کہا گیا ہے کہ مولانا محمد علی کانپوری کی خصوصی کوششوں سے جو کہ انجمن کے ناظم اول اور پرجوش سپاہی تھے، ایک انجمن ندوۃ العلماء کے نام سے قائم کی گئی، مترجم نے اس کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ـــــ " اسکی تکمیل مولوی سید محمد علی کانپوری، خلیفہ حضرت مولانا فضل رحمٰن مرادآبادی کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی، جو اسکے بانی اور ناظم اول تھے ـــــ " اس طرح مترجم نے اصل متن کے ترجمہ میں دو باتیں اپنی طرف سے بڑھادیں۔

(الف) خلیفہ حضرت فضل رحمٰنؒ مرادآبادی (واضح ہو کہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی ہیں مرادآبادی نہیں۔ گنج مرادآباد ضلع اناؤ میں واقع ہے۔)

(ب) اصل متن میں مولانا محمد علی کانپوری کو ناظم اول لکھا گیا ہے بانی نہیں۔

اس طرح قارئین نے اصل متن اور اسکے ترجمہ کے مندرجات کے تقابلی مطالعہ سے محسوس کرلیا ہوگا کہ رام بابو سکسینہ کی صرف دو جملوں پر مشتمل عبارت کا ترجمہ کرنے میں مترجم مرزا محمد عسکری نے پانچ مقامات پر اصل متن سے انحراف کیا ہے جو اصول ترجمہ نگاری ہی کے منافی نہیں بلکہ علمی و اخلاقی آداب کے بھی خلاف ہے۔

مولانا حکیم سید عبدالحئی صاحب نے مولانا سید محمد علی صاحب کے بارے میں اپنی معرکۃ الآرا تخلیق نزہۃ الخواطر" میں تحریر فرمایا ہے۔" وھوالذی اسس ندوۃ العلماء احدی عشرۃ وثلثمائۃ والف لاحیاء المدارس العربیہ واصلاح نظام الدرس ورفع النزاع من الغرق الاسلامیہ والذب عن الاسلام"[۱۸] اور انہوں نے مدارس عربیہ کے احیاء

---

[۱۸] نزہۃ الخواطر: مولانا سید عبدالحئی ص ۴۶۴ مطبع دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد سنہ ۱۳۹۰ - ۱۹۷۰ء

دینی نظام کی اصلاح، اسلام کی حمایت اور مسلمانوں کے مختلف فرقوں سے نزاع کو رفع کرنے کی غرض سے ۱۳۱۱ھ میں ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی، لیکن چونکہ (جیسا کہ ماقبل میں عرض کیا جاچکا ہے) مولانا حکیم سید ظہور الاسلامؒ صاحب فتحپوری بقول مولوی عبدالرزاق کانپوری:

"مسلمانوں کی مذہبی اصلاح اور مشرقی تعلیم (درس نظامی) کی اشاعت اور تحفظ اسلام کے لئے ایک کمیٹی کے تقرر کی بات ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء میں طے کر چکے تھے اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ جلسوں کے ساتھ اس کمیٹی (مذہبی انجمن) کے انعقاد کا رزولیشن علی گڑھ میں ۲۶ر دسمبر ۱۸۹۱ء کی شب کی مجلس مشاورت میں رکھوا چکے تھے۔ (تفصیلی معلومات ماسبق میں گزر چکی ہے) اس لئے آپ ہی ندوۃ العلماء کے محرک وبانی ومؤسس کہے جائیں گے۔"

مولانا حکیم سید عبدالحئیؒ صاحب مرحوم نہ ندوۃ العلماء کی آٹھ رکنی کمیٹی میں شامل ہیں اور نہ جلسۂ دستاربندی مدرسہ فیض عام کانپور بابت ۱۸۹۲ء میں شریک ہیں اسلئے وہ مؤسس وبانی ندوۃ العلماء کے بابت فیصلہ کرنے میں مولوی عبدالرزاق کانپوری کے مقابلہ میں استنادی حیثیت کے مالک نہیں ہیں۔

راقمین کی دانست میں بیسویں صدی کے نصف اول تک مستند اور غیر جانبدار کتابوں میں مولانا محمد علی کانپوری کو ناظم اول لکھا جاتا تھا بانی ندوہ نہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو جس میں وہ مولانا محمد علی کو ناظم لکھتے ہیں:

اسیطرح طالب علمی کے زمانے میں ایک اور بزرگ نے عین وقت پر میری ایسی رہبری کی جس نے میرے خیالات کی دنیا ہی پلٹ دی۔ یہ بزرگ ندوۃ العلماء کے پہلے ناظم مولانا سید محمد علی صاحب ہیں[۱۹]"

[۱۹] نقوش آپ بیتی نمبر ص ۲۸۰ بحوالہ تاریخ ساز جوانیاں، مرتبہ محمد جاوید خالد، ص ۲۳۴، ناشر اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی۔ بار اول ۱۹۹۳ء۔

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی نے بھی مولانا سید محمد علی کو ناظم ندوۃ العلماء ہی لکھا ہے، بانی نہیں ——————— "حیات سلیمان" سے ایک مختصر سی عبارت ملاحظہ ہو:

"جنوری ۱۹۰۴ء میں ندوہ کا سالانہ جلسہ مدراس میں ہوا، اس میں مولانا شبلی نے بھی شرکت کی، ان کی شرکت کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مولانا محمد علی ناظم ندوۃ العلماء اور مولانا سید عبدالحئی صاحب مددگار ناظم سے زبانی گفتگو کرنے کے بعد باہم جو غلط فہمیاں تھیں وہ دور ہوگئیں[۲۰]"

مولانا محمد الحسنی صاحب نے بانی ندوۃ العلماء کی صفت مولانا محمد علی کانپوری کے نام کے ساتھ لگائی ہے۔ مولانا محمد الحسنی صاحب نے اپنے اس نظریہ کی بنیاد مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی کے مولانا لطف اللہ کو لکھے گئے مکتوب میں مندرج ایک فقرہ پر رکھی ہے۔ حالانکہ ان کی کتاب سیرت مولانا محمد علی کی طباعت ۱۹۶۴ء سے کافی پہلے (۱۹۴۶ء) مولوی عبدالرزاق کانپوری "تاسیس ندوۃ العلماء" کے تحت قیام ندوۃ العلماء کے خیال کا تخلیق کار اور انجمن ندوۃ العلماء کا بانی مولانا حکیم سید ظہور الاسلام صاحب فتحپوری کو بتلا چکے تھے۔ مولانا محمد الحسنی صاحب اپنے موقف کی تائید میں کہ ندوہ کے بانی مولانا سید محمد علی کانپوری ہیں اپنی کتاب سیرت مولانا محمد علی میں لکھتے ہیں:

"ندوۃ العلماء کا تخئیل سب سے پہلے کس کے ذہن میں آیا اس کے متعلق سب سے مستند قول مولانا حبیب الرحمان شروانی کا ہے وہ

---

[۲۰] حیات سلیمان: شاہ معین الدین احمد ندوی ص ۲۱ مطبع معارف اعظم گڈھ ۱۳۹۳ھ۔ ۱۹۷۳ء۔

مولانا محمد علی کے صاحب زادے مولانا لطف اللہ مرحوم کو ایک خط میں صاف صاف لکھتے ہیں[۲۱]: "۔۔۔۔ ندوۃ العلماء کے قیام کا اولاً موصوف ہی کے دماغ میں خیال پیدا ہوا تھا، جس پر سارے ملک نے لبیک کہا آج اسکے آثار ملک، ملت کے سامنے ہیں[۲۲] ـــــــــ"

یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ معرض بحث مکتوب گرامی کی استنادیت کی بابت چند سطور حوالہ قرطاس کر دی جائیں۔

تحقیق تشکیک کے بطن سے پیدا ہوتی ہے۔ محبوب رب العالمین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس نگاہوں میں تحقیق و تفتیش اور چھان پھٹک کے ذریعہ حقیقت تک پہونچنے کی اہمیت اس قدر تھی کہ آپ نے فرمایا "کفی بالمرء کذباً ان یحدث بکل ما سمع[۲۳]"۔ (انسان کے دروغ گو ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو بیان کرنے لگ جائے) مشہور و مستند محقق ایلٹک کہتا ہے کہ اچھا محقق ہونیکے لئے اچھا مشکک ہونا ضروری ہے اسے انسانوں کی حق گوئی اور ان کے اقوال کی صحت کے بارے میں خراب رائے رکھنی چاہیئے۔ ایلٹک نے تو اپنی ذات کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھنے کی ہدایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ ہم گوشت پوست کے بنے ہوئے فانی انسان ہیں ہم سے غلطی ہونی لازمی ہے[۲۴]

بقول رشید حسن خاں ـــ "تحقیق میں شک کو بنیادی اہمیت حاصل ہے

---

[۲۱] سیرت مولانا محمد علی مونگیری ص ۱۱۷ [۲۲] مقالہ متعلقہ سوانح: مولانا منت اللہ رحمانی ص ۲۱ بحوالہ سیرت مولانا محمد علی مونگیری، ص ۱۱۷

[۲۳] مسلم شریف: مصنف ابوالحسن ابن صحاح معروف بہ امام مسلم نیشاپوری بحوالہ مشکوٰۃ شریف: شیخ ولی الدین محمد ابن عبداللہ الخطیب، ص ۲۸ مجیدی پریس کانپور

[۲۴] Altick:- The Art of Literary Research Page 16

بلکہ اکثر صورتوں میں تحقیق کا آغاز اسی نقطے سے ہوتا ہے۔ اگر
کوئی شخص خوش اعتقاد ہے تو یہ ممکن ہے کہ وہ اللہ کا نیک بندہ
ہو یا جلد ہی اسے یہ سعادت حاصل ہو جائے۔ مگر تحقیق کی روشنی
سے اسکی آنکھیں محروم رہیں گی۔ عقیدت زود یقینی اور ان جیسی
تصوف پسند اور مغالطہ آفریں خوش اخلاقیوں کی تحقیق میں
گنجائش نہیں۔[25]

قرون اولیٰ کے مسلمان روایت کے بارے میں اس قدر محتاط
تھے کہ وہ عام خلفاء و سلاطین کے حالات بھی اس وقت تک
بیان نہ کرتے تھے جب تک کہ ان کے پاس آخری راوی
سے لیکر چشم دید گواہ تک تسلسل کے ساتھ روایت موجود نہ
ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی تحقیق کرتے تھے کہ وہ لوگ کون تھے؟ کیسے
تھے؟ ان کے مشاغل کیا تھے؟ ان کی سمجھ بوجھ کیسی تھی؟ سطحی الذہن
تھے یا نکتہ رس[26] وغیرہ وغیرہ۔

ایلٹک نے ادبی تاریخ کی غلط بیانیوں کی جو وجوہ بیان کی ہیں ان میں سے ایک اہم وجہ
حافظے کا سہو ہے۔[27] مولانا سید محمد الحسنی کے مبنیع (مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی)
کے کبر سنی میں سوء حفظ کی بات ان کے ہمعصر محقق مولانا سید سلیمان ندوی کی زبانی ماقبل
میں نقل کی جا چکی ہے۔ مشہور نقاد قاضی عبدالودود نے لکھا ہے کہ احمد کی پگڑی محمود کو

---

[25] حوالہ اور صحت متن: رشید حسن خاں، مضمون مشمولہ ادبی اور لسانی تحقیق ص ۱۱۹، ۱۲۰
[26] فن تحقیق: غلام مصطفےٰ خاں، مضمون مشمولہ ادبی اور لسانی تحقیق اصول اور طریق کار پروفیسر سید عبدالستار دلوی ص ۱۰۱
[27] Altick:- The Art of Literary Research Page 17

پہنا دینا حافظے کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے[۲۸]۔ اور یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ مولانا ظہور الاسلام صاحب رح فتحپوری کی بانی ندوہ والی پگڑی مولانا محمد علی کانپوری کو پہنا دی گئی۔

مولانا سید محمد الحسنی صاحب کے لئے لازم تھا کہ وہ بانی ندوہ کا فیصلہ کرتے وقت مولانا شروانی کا پورا مکتوب گرامی بعینہٖ نقل کرتے اور بہتر یہ تھا کہ اس مکتوب کا عکس بھی دیدیتے۔ مولانا محمد الحسنی صاحب نے اپنی کتاب "سیرت مولانا محمد علی مونگیری، بانی ندوہ" میں مولانا محمد علی کانپوری کے ایک خط (جو مولانا عبد الحئی صاحب کو لکھا گیا ہے) کا عکس دیا ہے[۲۹]۔

ایلٹک نے اپنی کتاب "اسکالرز ایڈونچر"[۳۰] میں تفصیل سے تبلایا ہے کہ ایک بڑے عالم اور محقق جیمس وائز نے انیسویں صدی کے وسط کے کئی بڑے انگریزی ادیبوں بالخصوص "رسکن" کے نام سے پرائیوٹ پمفلٹ تیار کر کے بازار میں چلا دیئے۔ ۱۹۲۰ء میں اور اسکے بعد ان پمفلٹوں میں ایک ایک کو ڈھائی ڈھائی سو پونڈ میں بیچا گیا۔ کارٹر اور پولارڈ نام کے دو محققوں نے ۱۹۳۴ء میں اس جعل کا بھانڈا پھوڑا۔ جن کاغذوں کو ۱۸۴۷ء کا تبلایا گیا تھا ان کی کیمیاوی جانچ نے یہ تبلایا کہ وہ ۱۸۸۰ء کے تھے۔ اردو میں بھی اس قسم کی جعل سازی کی کافی مثالیں موجود ہیں۔

پروفیسر مجیب نے ثابت کیا ہے کہ ابتدائی چشتی بزرگوں کے نام سے منسوب نو کتابیں بالکل جعلی ہیں۔ ان بزرگوں میں خواجہ معین الدین، شیخ قطب الدین بختیار کاکی، شیخ فرید الدین گنج شکر اور خواجہ نظام الدین اولیا، وغیرہ کی طرف منسوب کتابیں شامل ہیں[۳۱]۔

---

[۲۸] اصول تحقیق: قاضی عبد الودود مضمون مشمولہ ادبی اور لسانی تحقیق ص ۸۲ [۲۹] سیرت مولانا محمد علی مونگیری بانی ندوہ ص ۲۸۴ اور ص ۲۸۵ کے درمیان دو صفحات پر عکس دیا گیا ہے۔ راقم [۳۰]

Altick:- The Scholar Adventurers (N York 1960)
Page No. 37 to 64.

ماضی کے کسی بڑے ادیب کے نام سے دریافت شدہ تحریر کی صداقت کو جانچنے کے لئے خارجی اور داخلی شہادتوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ خارجی یہ کہ یہ کیسے اور کہاں ملی ؟ کیا اس انکشاف سے دریافت کنندہ کو کوئی فائدہ پہونچ سکتا ہے ؟ داخلی یہ کہ وہ تحریر مصنف کے اسلوب سے ملتی ہے[۳۲] اور اگر وہ مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے جیسا کہ مولانا شروانی کے مکتوب کا مسئلہ ہے تو کیا یہ مصنف کی دوسری مصدقہ تحریروں سے مشابہ ہے۔

پروفیسر کلب عابد "شخصیتوں اور واقعات کی تحقیق" کے ضمن میں رقم طراز ہیں :

> اشتباہ کے مواقع پر سیاق و سباق عبارت دیکھ لینا چاہیئے ۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے بلکہ ہوا ہے کہ کتاب کسی کی لکھی ہوئی ہو اور منسوب دوسرے کی طرف ہو گئی ۔ لہذا یہ بھی جانچ لیا جائے کہ تصنیف اس شخص کی ہے بھی یا نہیں جس کی طرف منسوب ہے جس کا پتہ مصنف کی دیگر کتابوں کے طرز نگارش اور انداز بیان سے چلایا جا سکتا ہے ۔ کبھی کتاب کا گہرا مطالعہ کرنے سے خود کتاب ہی میں ایسے ثبوت مل جاتے ہیں جو بتا دیتے ہیں کہ نسبت غلط ہے مثلاً کسی ایسے واقعہ کا ذکر مل جائے جو بعد کے زمانے کا ہے تو یہ ثبوت ہوگا کہ بعد کی تصنیف ہے اور جس کی طرف

---

۳۱ Mohd. Habib:- Chisti Mystics records of the Sultanate Period Medieval India Quarterly, Alig Oct., 1950.

۳۲ تحقیق کا فن ۔ ڈاکٹر گیان چند جین ص ۲۰۹

نسبت دی گئی ہے غلط ہے۔" [۳۳]

مولانا محمد الحسنی صاحب کا منقولہ اقتباس سیاق وسباق کے فقدان کی وجہ سے چھان پھٹک کی منزل سے نہیں گذارا جاسکتا۔ آرکائیوز کی لیبوریٹری میں کسی تحریر کے کاغذ اور روشنائی کو جانچ کر اس کی عمر مقرر کی جاسکتی ہے۔ ہندوستان میں شملہ کی لیبوریٹری سے اس قسم کی مدد حاصل کی جاسکتی ہے۔ اگر مولانا شروانی کا اصل مکتوب یا اس کا عکس دستیاب ہوتا تو اس کی صداقت کی بابت کسی نتیجہ پر پہونچا جاسکتا تھا۔ اسکے برخلاف مولوی عبدالرزاق کانپوری کی کتاب 'یاد ایام' میں ان کے ذاتی مشاہدات ہیں۔ مشاہدات کا یہ سلسلہ پہلے مقامی پرچہ میں چھپا بعد میں مطبوعہ پرچوں میں مشمول یہ مطبوعہ اوراق مولانا سید سلیمان ندوی کے پاس محفوظ رہے اور جب یہ اوراق مولانا سید سلیمان ندوی کے ذریعہ کاغذ کی نایابی کی وجہ سے مطبع معارف سے شائع نہ ہوسکے تو حیدرآباد دکن سے طبع ہو کر 'یاد ایام' کے نام سے اشاعت پذیر ہوئے۔ یہاں پر اس امر کا اظہار بیجا نہ ہوگا کہ اوراق 'یاد ایام' کی دونوں اشاعتوں کے دوران مولانا حبیب الرحمن شروانی بقید حیات تھے اور انہوں نے کسی قسم کی کوئی تکذیب یا تغلیط نہ اس دوران کی اور نہ بعد میں اس بابت کوئی تردیدی بات کہی۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ مولوی عبدالرزاق کانپوری کے 'یاد ایام' کے مشاہدات میں کسی مشاہدہ کی (بشمول تاسیس ندوۃ العلماء کی مختصر تاریخ) کسی نے آج تک تغلیط یا تکذیب نہیں کی۔ یہ مشاہدات ان کی زندگی ہی میں دوبار اشاعت پذیر ہوئے۔ اس دقیع خزانے میں تاسیس ندوہ کی بات قطعی وحتمی طور پر محفوظ ہے۔ اسطرح صداقت شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

---

[۳۳] عماد التحقیق۔ پروفیسر کلب عابد صدر شعبۂ دینیات شیعہ علی گڑھ یونیورسٹی علی گڑھ ص ۲۳

اس سلسلہ کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ مکتوب نگار نے اپنی تخلیق استاد العلماء[۳۴]
میں ندوہ کی بابت سلسلۂ گفتگو کا آغاز ۱۳۱۱ھ سے کیا ہے جبکہ مولوی عبدالرزاق
کانپوری نے شریک واقعہ کی حیثیت سے آغاز سخن ۱۳۰۹ھ سے کیا ہے۔ اس
موقع پر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ مولوی عبدالرزاق کانپوری کو ندوۃ العلماء (اسوقت
کی مذہبی انجمن) کے سلسلہ کی پہلی تجویز رکھنے کا شرف بھی حاصل تھا۔ اس طرح
مولوی عبدالرزاق کانپوری کا بیان مستند ہے۔

یہاں پر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ مولانا حسنی صاحب نے مولانا شروانی کے
جس قول کو مولانا محمد علی کانپوری کے بانی ندوہ ہونے کے سلسلے میں رقم کیا ہے اس
کو انہوں نے اس طرح نقل نہیں کیا کہ قاری حتمی طور پر یہ سمجھ سکے کہ مولانا شروانی
کا یہ قول کس کے بابت ہے؟ مولانا حسنی نے مولانا شروانی کے گرامی نامہ سے صرف
ایک فقرہ نقل کیا ہے اور یہ فقرہ خود مکتفی نہیں ہے بلکہ اس میں ایضاح مدعا کی صلاحیت
بھی نہیں ہے کیونکہ اس جملہ سے یہ بات منکشف نہیں ہوتی کہ اس میں مستعمل اہم لفظ "موصوف"
کا مشارٌ الیہ کون ہے؟

معرض بحث مکتوب کے محولہ بالا اقتباس کو اخذ کرتے وقت مولانا حسنی کو یہ امر یقیناً
ملحوظ رکھنا چاہیئے تھا کہ اقتباس کا آغاز مکتوب کے اس حصّہ سے کیا جائے جہاں 'موصوف'
کا مشارٌ الیہ موجود ہوتا کہ قاری کو یہ پتہ لگ سکے کہ موصوف گرامی کون باوقعت شخصیت
ہے؟ اس طور پر مکتوب کا وہ اقتباس جو سیرت مولانا محمد علی مونگیری بانی ندوہ میں منقول
ہے۔ مولانا حسنی کے دعویٰ کو ثابت کرنے سے قاصر ہے کیونکہ اقتباس میں اس بات
کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے کہ موصوف سے مراد مولانا محمد علی کانپوری ہیں۔ محذوف

---

[۳۴] استاد العلماء ص ۴۴

عبارت یا محذوف لفظ کی وجہ سے اکثر و بیشتر مصنف کا عندیہ قاری تک بعینہ نہیں پہونچ پاتا اور کبھی کبھی تو مصنف کا اصل مدعا ہی بدل جاتا ہے۔ ایضاح مطلب کیلئے اسی کتاب سیرت مولانا محمد علی سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

”ندوہ پر کیا کیا انقلابات آئے، کتنے ارکان بدلے، کتنے منتظمین آئے اور کتنے گئے ۔ ۔ ۔ ۔ مگر ان تمام حالات و حوادث کے طوفان میں ثبات و استقلال کی صرف ایک چٹان تھی جو اپنی جگہ پر تھی اور وہ مولانا سید عبدالحئی صاحب مرحوم کی ذات تھی[۳۵]“

وہ عبارت جسمیں حذف سے کام نہیں لیا گیا یعنی یاد رفتگاں کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

”ندوہ پر کیا کیا انقلابات آئے، کتنے ارکان بدلے، کتنے منتظمین آئے اور کتنے گئے۔ کتنے معتمد اور ناظم عزل و نصب ہوئے، کتنے فتنے اور حوادث پیدا ہوئے مگر ان تمام حالات و حوادث کے طوفان میں ثبات و استقلال کی صرف ایک چٹان تھی جو اپنی جگہ پر تھی اور وہ مولانا سید عبدالحئی صاحب مرحوم کی ذات تھی[۳۶]“

بغیر حذف کی عبارت کو اور اس عبارت کو جس میں چند الفاظ حذف کر دیئے گئے ہیں پڑھنے سے قاری کے ذہن پر یقیناً ایک سا تاثر قائم نہیں ہوتا۔

مولانا حسنی کے حذف کے ساتھ اقتباس نقل کرنے کی وجہ سے ایک مزید دقت یہ پیش آئی کہ ان کے دعویٰ کی صداقت کو جانچنا مشکل بلکہ ناممکن ہوگیا۔ اس جملہ سے یہ پتہ نہیں لگتا کہ مولانا

[۳۵] سیرت مولانا محمد علی مونگیری۔ بانی ندوہ ص ۱۶۲ بر حاشیہ
[۳۶] یاد رفتگاں: سید سلیمان ندوی ص ۴۸

شروانی نے واقعی کیا کہا، کن حالات میں کہا، لیکن اتنا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ یہ بیان واقعہ کے فوری بعد کا نہیں ہے اگر مولانا حسنی پورا مکتوب نقل کر دیتے تو اس گرامی نامہ کی کتابت کی تاریخ اور ماہ و سنہ سے واقفیت ہوجاتی اور اس کی بھی آگاہی ہوجاتی کہ مولانا نے خط میں مرقوم اس حصہ کی بنیاد، جس سے باقی ندوہ کی بابت فیصلہ کیا گیا ہے۔ اپنی ذاتی معلومات پر رکھی ہے یا یہ کہ وہ کسی دوسرے شخص کی روایت پر مبنی ہے۔

ان احوال و کوائف میں مولانا شروانی کے بیان کی استنادیت قطعی طور پر مجروح ہوجاتی ہے اور ان کا یہ بیان قابل استناد نہیں رہ جاتا۔

یہاں پر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ مولانا سید محمد علی کی دوسری بیوی کا انتقال ۱۳۱۷ھ میں ہوا[37]۔ اسوقت مولانا کی عمر ۵۰ سال تھی۔ دوسری بیوی کے انتقال کے بعد مولانا نے تیسری شادی کی اس بیوی کے بطن سے مولانا کی چھ اولادیں ہوئیں جن میں سے ایک لڑکی تھی باقی لڑکے۔ بڑے لڑکے کا نام عتیق اللہ تھا جن کی عمر مولانا کے پہلے سفر حج کی روانگی کے وقت ایک ماہ تھی۔ مولانا نے پہلا سفر حج ۱۳۱۸ھ میں کیا[38]۔ دوسرے لڑکے کا نام لطف اللہ تھا۔ جن کی تاریخ پیدائش کتاب میں مرقوم نہیں ہے اگر ان کی پیدائش کا سنہ ۱۳۲۱ھ مان لیا جائے تو بوقت انتقال ان کی عمر ۲۲ سال متعین ہوگی کیونکہ ان کے انتقال کا سنہ کتاب سیرت مولانا محمد علی میں ۱۳۴۲ھ مرقوم ہے[39]۔ مولانا محمد علی کا انتقال ۱۳۴۶ھ میں[40] مولود مولانا لطف اللہ کے انتقال کے چار سال بعد ہوا جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ کتاب سیرت مولانا محمد علی میں اس کا تذکرہ نہیں ہے کہ معرض بحث مکتوب کس تاریخ، کس ماہ،

---

[37] سیرت مولانا سید محمد علی مونگیری ص ۱۹۴

[38] ایضاً

[39] ایضاً ص ۲۰۴

[40] ایضاً ص ۱۷۴

یا کس سنہ میں لکھا گیا؟ لیکن چونکہ اس مکتوب کے مکتوب الیہ مولانا لطف اللہ مرحوم ہیں اس لئے یہ مکتوب یقیناً ۱۳۴۲ھ یا اس سے پیشتر کا ہے۔ یہ امر تحیّر خیز ہے کہ جب زیر بحث مکتوب مولانا محمد علی کی حیات میں لکھا گیا تو مولانا محمد علی کے صاحب زادے مولانا منت اللہ نے ندوہ کے بانی والے مسئلہ میں بنیادی شہادت سے کیوں گریز کیا؟ مولانا سید محمد علی اس کے بعد بھی چار سال تک بقید حیات رہے لیکن مولانا منت اللہ صاحب نے اس خط کی تصدیق اپنے والد محترم سے کیوں نہیں کی؟ والد محترم نے اپنی پوری زندگی میں بانی ندوہ والی بات اپنے صاحب زادوں سے یا دوسروں سے کیوں نہیں بتلائی؟ اور ہر جگہ اپنے کو صرف ناظم اول ہی کیوں لکھتے رہے؟ مولانا منت اللہ نے —— بنیادی شہادت نہ دے کر ثانوی شہادت کیوں دی؟ وغیرہ وغیرہ یہ سبھی باتیں مکتوب گرامی کے متن کی تضعیف کرتی ہیں۔

اس موقع پر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ کتاب "سیرت مولانا محمد علی مونگیری بانی ندوہ" کی استنادیت اور اس کی معقولیت بھی معرض خطر میں ہے۔ اس میں ایسے تسامحات ہیں جو کتاب کی استنادیت کی تضعیف کرتے ہیں صرف ایک مثال ملاحظہ ہو مولانا سید محمد الحسنی صاحب نے مولانا محمد علی صاحب کی بابت لکھا ہے کہ —— "وہ کبر سنی کی وجہ سے خود ان کو (مولانا سیّد احمد علی کو) تعلیم نہ دے سکے۔"[۱]

اس فقرے کی معقولیت کو جانچنے کیلئے ضروری ہے کہ مولود کی تعلیم کے درمیان والد کی عمر معلوم کی جائے اور دیکھا جائے کہ اس عمر کے آدمی کی بابت یہ کہنا کہ وہ کبر سنی کی وجہ سے اپنے لڑکے کو خود تعلیم نہ دے سکے معقول بات ہے یا غیر معقول۔

مولانا سیّد محمد علی صاحب کی پیدائش ۳ر شعبان ۱۲۶۲ھ مطابق ۲۸ر جولائی ۱۸۴۶ء[۲] کو ہوئی۔ مولانا کی شادی کا سنہ کتاب میں درج نہیں ہے صرف اس قدر مرقوم ہے کہ

---

[۱] سیرت مولانا محمد علی مونگیری ص ۱۸ا [۲] ایضاً ص ۷

شادی کے وقت موصوف کی عمر ۲۲[۴۳] سال تھی۔ اس طور پر ان کی شادی کا سنہ ۱۲۸۴ھ نکلتا ہے۔ اس شادی کے نتیجے میں مولانا کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ مولانا نے ان تین لڑکوں کے علی الترتیب الولادت اسماء گرامی احمد علی، محبوب علی، معصوم علی رکھے ہیں۔ موخرالذکر دونوں لڑکے کمسنی میں فوت ہو گئے۔ کتاب میں احمد علی کی تاریخ پیدائش مرقوم نہیں ہے اگر ان کی پیدائش شادی کے ایک سال بعد مان لی جائے تو ان کی پیدائش کا سنہ ۱۲۸۵ھ نکلتا ہے۔ سید احمد علی کی وفات ۱۳۲۸ھ[۴۴] میں ہوئی۔ اس طور پر اسوقت ان کی عمر ۴۳ سال اور انکے والد کی عمر ۶۵ سال تھی۔

اگر مولود سید احمد علی کی تعلیم کا زمانہ دس[۴۵] سال سے بیس سال کی عمر تک تسلیم کر لیا جائے تو ان کی تعلیم کی یہ مدت ۱۲۹۶ھ سے ۱۳۰۶ھ کے عرصہ پر محیط ہوگی۔ اس دوران والد (مولانا محمد علی) کی عمر ۲۳ سال سے ۳۴ سال کے درمیان ہونی چاہیئے۔

۲۳ سے ۳۴ سال تک کے درمیان کے آدمی کے بارے میں یہ بات لکھنا کہ وہ کبرسنی کی وجہ سے اپنے لڑکے کو خود تعلیم نہ دے سکے عقلاً و عادتاً نادرست ہے۔ بالخصوص ان حالات میں کہ مولانا محمد علی کی عمر دوسری بیوی کے انتقال کے وقت ۵۵ سال تھی اور مولانا نے دوسری بیوی کے بعد انتقال جب تیسری شادی کی تو اس بیوی کے بطن سے مولانا کی ایک لڑکی اور پانچ لڑکے پیدا ہوئے۔ یہ بات واقعتہً حیرت انگیز اور استعجاب افزا ہے کہ مولانا ایک طرف اپنی عمر کے ۲۳ ویں سے ۳۴ ویں سال تک کی درمیانی مدت میں اتنے بوڑھے تھے کہ تعلیم دینے سے بھی قاصر تھے اور دوسری طرف ۵۵ سال کے بعد ان میں اتنی طاقت اور جوانی آگئی کہ نہ صرف یہ کہ انھوں نے تیسری

۴۳؎ سیرت مولانا محمد علی مونگیری ص ۱۸ ۴۴؎ ایضاً ص ۴۱۸

۴۵؎ ندوۃ العلماء کے دوسرے اجلاس کی چوتھی نشست میں مدت تحصیل علوم دس سال مقرر کی گئی تھی ملاحظہ ہو۔ ص ۱۲۴

شادی کی بلکہ وہ اس شادی کے ثمرہ میں چھ اولادوں کے باپ بھی بن گئے۔

مولانا سید محمد الحسنی نے اپنی تصنیف "سیرت مولانا محمد علی مونگیری بانی ندوۃ العلماء" کی تخلیق میں اس حزم و احتیاط اور اس تفحص و تفتیش سے کام نہیں لیا جو کسی تخلیقی عمل کے لئے درکار ہے۔ صرف ایک مثال ملاحظہ ہو۔

مولانا حسنی نے مسجد دلاری کا تعارف کراتے ہوئے جو جملے لکھے ہیں ان کا اختتام حسب ذیل عبارت پر ہوتا ہے

> "یہ مسجد دلاری کی مسجد کے نام سے مشہور ہوئی۔ مقامات کے مصنف نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "مسجد میں جو پتھر لگا ہوا ہے اس میں دین محمد کا نام ہے مگر شہرت اس کی بیوی کے نام سے ہے[۴۶]"

اگر مولانا محمد الحسنی کتاب کی تصنیف کے دوران یا اس سے پیشتر مسجد دلاری کے معائنہ کی زحمت گوارا فرماتے تو ان پر "مقامات محمدیہ" کے مندرجہ بالا جملہ کی غلط بیانی واضح ہو جاتی۔ مسجد دلاری میں جو پتھر لگا ہوا ہے اس میں فی الواقع دلاری کا نام کندہ ہے۔ پتھر پر کندہ دین محمد خاں کا نام مسجد سے متعلق نہیں ہے اور مستقل بالذات بھی نہیں ہے بلکہ وہ دلاری کے شوہر کی حیثیت سے مرقوم ہے جو دلاری کو متعین و متخشص کرنے کیلئے لکھا گیا ہے۔ بالکل اسیطرح جیسے مرشد آنہا کے بعد ان کے مرشد غلام مصطفٰی قادری کا نام مندرج ہے۔ دلاری کے شوہر دین محمد خاں کے آگے طباخ کی صفت منسلک ہے[۴۷]

اس سے مصنف کی لاپرواہی اور ان کی سہل انگاری کا علم ہوتا ہے جو تحقیق کے باب میں

---

[۴۶] مقامات محمدیہ ص ۵ بحوالہ سیرت مولانا محمد علی مونگیری۔ بانی ندوۃ العلماء ص ۵

[۴۷] کتبہ کی اصل عبارت مقالہ ہٰذا کے ص ۱۰۱ پر مندرج ہے۔

سم قاتل ہے۔

مولانا حسنی کو مسجد ولاری کا معائنہ کرنا اسلئے بھی" لازم تھا کیونکہ موصوف (مولانا حسنی) نے "مقامات محمدیہ" میں مرقوم سنہ تعمیر کی تغلیط کرتے ہوئے خود ہی لکھا ہے کہ "مقاماتِ محمدیہ میں سن (کذا) تعمیر ۱۳۱۲ھ چھپا ہے جو درست نہیں ہے۔[۴۸] "

اب مندرجہ ذیل سطور میں راقمین عقلی و نقلی دلائل کے سہارے اس بات کا تجزیہ کرینگے کہ آیا مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی کا مذکورہ بالا قول بقول محمد الحسنی سب سے مستند ہے یا اس سے بھی زیادہ مستند کسی دوسرے کا قول ہے اور حقیقت کہاں پنہاں ہے ؟

مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی کے منقولہ بالا جملے کی نوعیت یہ ہے کہ یہ ایک ایسے مکتوب کی عبارت ہے جو مولانا لطف اللہ مرحوم پسر مولانا محمد علی کانپوری کو لکھا گیا ہے۔ اس طرح یہ ایک ایسا گرامی نامہ ہے جو ذاتی نوعیت کا ہے اور جس میں بیٹے کو باپ کی بابت کوئی بات بتلائی گئی ہے۔ خط کا سیاق و سباق راقمین کو معلوم نہیں ہے پھر بھی قرائن اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ مکتوب کا یہ حصہ بر سبیل تذکرہ ہے۔ اسکے برخلاف مولوی عبدالرزاق کانپوری نے جو کچھ بھی تاسیس ندوۃ العلماء کی بابت لکھا ہے وہ ایک مستقل بالذات بیان ہے جو تفصیلی جزئیات اور وثوق کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ تاریخ ماہ و سنہ کا تعین، مقامات کی نشاندہی اور متعلقین حضرات کی نام شماری یہ سبھی باتیں بیان کو وزنی بناتی ہیں اور بیان کی صداقت پر شاہد ہیں۔

مولانا شروانی مرحوم نے اپنا بیان شریک واقعہ کی حیثیت سے نہیں دیا اور نہ اپنے مخرج ہی کی نشاندہی کی ہے جبکہ مولوی عبدالرزاق کانپوری خود شریک واقعہ ہیں اور مزید برآں موصوف نے مخارج کی نشاندہی بھی حسب ضرورت کردی ہے۔ مولانا عبدالرزاق

---

[۴۸] سیرت مولانا محمد علی ص ۵ حاشیہ ۲

کانپوری مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں شریک ہوتے تھے اور ندوۃ العلمار کے اجلاس میں بھی شرکت کرتے تھے کیونکہ وہ ندوۃ العلمار سے بہ حیثیت روداد نگار منسلک تھے۔ ندوۃ العلمار کی بابت پہلا رزولیشن موصوف ہی نے رکھا تھا۔

موصوف کا آبائی وطن ندوۃ العلمار کا پہلا صدر مقام کانپور تھا اور جب ندوۃ العلمار کانپور سے لکھنؤ منتقل ہوا تو وہ لکھنؤ بھی بطور محاسب ہر ہفتہ جایا کرتے تھے۔ مولوی صاحب اپنی کتاب "یاد ایام" کے صفحہ ۱۱۶ پر رقمطراز ہیں:

"—— جس زمانے میں مولانا (شبلی) کا بندوق سے ایک پاؤں ضائع ہو چکا تھا لکھنؤ میں قیام تھا اور تنہائی سے پریشان رہتے تھے۔ ایک دن میں لکھنؤ گیا (میں ہر اتوار کو کانپور سے لکھنؤ جایا کرتے تھا کیونکہ میں ندوہ کا آزیری محاسب تھا) تو فرمایا کہ میں لکھنؤ میں بھی ایک نکاح کرنا چاہتا ہوں[۴۹] ——"

مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی ندوہ کے ابتدائی دور میں ندوہ سے اس قسم کا کوئی انسلاک نہ رکھتے تھے۔ مولانا شروانی کے معرض بحث مکتوب گرامی کا منقولہ بالا بیان مولانا محمد الحسنی کی کتاب "سیرت مولانا محمد علی مونگیری۔ بانی ندوۃ العلمار" میں مرقوم ہے۔ مولانا محمد الحسنی صاحب کی مرقومہ بالا تخلیق کی پہلی اشاعت کا سنہ اپریل ۱۹۶۴ء ہے جبکہ مولوی عبد الرزاق کانپوری کی تخلیق "یاد ایام" کی کتابی شکل میں پہلی اشاعت کا سنہ دسمبر ۱۹۴۶ء ہے یعنی مؤخر الذکر تخلیق مقدم الذکر تخلیق سے تقریباً ساڑھے سترہ سال پیشتر کی ہے۔ کتاب میں شامل سبھی مضامین بھوپال کے مقامی پرچوں میں ۱۹۴۲ء سے پہلے ہی چھپ چکے تھے۔ کیونکہ یہ مضامین مطبوعہ اوراق کی شکل میں معارف سے اشاعت

[۴۹] یاد ایام۔ ص ۱۱۶

کی غرض سے مولانا سید سلیمان ندوی کے پاس دوسری جنگ عظیم کے دوران بھیجے جا چکے تھے اس طور پر موخر الذکر کو مقدم الذکر پر کم از کم ۱۲ سال کے تقدم کا فخر حاصل ہے۔

مولوی عبدالرزاق کی ولادت ۱۸۶۶ء میں ہوئی۔ آپ کا دادھیال کانپور میں اور ننہال قصبہ فتحپور میں تھا[۵۰]۔ آپ کی والدہ زیادہ تر اپنے میکہ میں رہتی تھیں۔ اسلئے آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت فتحپور میں ہوئی[۵۱]۔ مولوی عبدالرزاق کانپوری نے اپنی تعلیم کی بابت لکھا ہے:

"میری ابتدائی تعلیم فتحپور میں ہوئی۔ منشی میر امام علی سے جو فرنگی محل کے تعلیم یافتہ تھے دس سال میں فارسی کی تکمیل کی اسکے بعد مولانا ظہور الاسلام سے عربی شروع کی۔ قطبی ختم کر کے مدرسہ فیض عام میں داخل ہوا۔ اس وقت مولانا احمد حسن مدرس اوّل تھے اور حدیث کے درس کا آغاز مولانا محمد علی صاحب سے (کذا) یہاں ہوا[۵۲] ـــــــــــــــــ"

موصوف نے فتحپور سے متعلق کئی باتیں بر سبیل تذکرہ یاد ایام کے صفحات ۱۴۰، ۱۶۱، ۲۸۶، اور ۲۸۲ پر رقم کی ہیں۔ آپنے فتحپور کے تحصیلی اسکول میں بھی پڑھا تھا۔ موصوف نے اس کا اعتراف یاد ایام میں نواب سید مہدی علی خاں نیز نواب جنگ محسن الملک بہادر کے باب میں کیا ہے۔ موصوف کی ملاقات ممتاز رقاصہ مشتری، ماہر فن اور ریختی گو شاعر میاں عصمت اور مشہور شاعر بے نظیر شاہ سے فتحپور میں ہوئی تھی۔ موخر الذکر سے ملاقات کے وقت مولوی صاحب موصوف کی عمر لگ بھگ بیس سال تھی[۵۳]۔

۵۰، ۵۱ مضمون مولوی عبدالرزاق کانپوری از سعیدہ بانو مشمولہ فکر و نظر ناموران علی گڑھ تیسرا کارواں جلد اوّل ص ۵۵

۵۲ یاد ایام ص ۱۰۲، حاشیہ ۵۳ یاد ایام صفحہ ۲۸۲

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مولوی صاحب کا رشتہ فتحپور سے کافی استوار تھا۔ مولوی صاحب مولانا ظہور الاسلام صاحب اور مولانا محمد علی کانپوری دونوں کے شاگرد تھے۔ ابتدائی دور میں ایجوکیشنل کانفرنس اور دیگر ادبی مجالس میں شرکت کرنے لگے تھے اور یہیں سے حالیؔ، شبلیؔ اور سر سیّد احمد خاں سے تعلقات پیدا ہوئے۔ آپ کا دائرہ احباب (جو قطعی طور پر علمی تھا) کافی وسیع تھا اور اس عہد کے جملہ اکابر سے آپ کے تعلقات تھے۔ یاد ایام میں آپ نے ان میں سے بہتوں کا تذکرہ جس طور پر کیا ہے اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی بھی اس دور کی نمایاں ہستیوں میں شامل ہیں۔ حضرت مولانا فضل رحمٰنؒ سے بیعت تھے۔ مفتی لطف اللہ صاحب اور مولانا سید محمد علی صاحب سے تعلیم پائی، علی گڑھ اور آگرہ میں انگریزی کی تحصیل بھی کی۔ حسین بن محسن انصاری یمانی سے جو شیخ حسین عرب محدث کے نام سے مشہور تھے۔ حدیث کی تحصیل کی اور صحاح کی سند لی۔ مکارم فضائل، حسن اخلاق اور علم عبادت کا اشتغال محتاجوں کی خبر گیری مسلمانوں کے لئے فکر مندی میں ان جیسا شخص مشکل سے ملیگا۔ لیکن فتحپور اور کانپور سے ان کا رشتہ اتنا استوار نہ تھا جتنا کہ مولوی عبدالرزاق کانپوری کا تھا۔

مولوی عبدالرزاق کانپوری کی شخصیت بطور ادیب اور بطور مورخ کافی بلند قامت ہے۔ آسٹرین مستشرق پروفیسر ڈیمری نے اپنی گرانمایہ تخلیق "ویسٹرن کلچر ان ایسٹرن لینڈ" میں تحریر کیا ہے کہ برطانیہ کے عہد حکومت میں صرف تین اشخاص ایسے ہیں جن کا طرز انشار یورپ کے اسلوب پر ہے اور موصوف نے جن تین حضرات کے نام گنائے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) انگریزی۔ سید امیر علی[۵۴] جج ہائیکورٹ کلکتہ مصنف اسپرٹ آف اسلام وغیرہ۔

[۵۴] سید امیر علی کا سلسلۂ نسب خاندان سادات موہان ضلع اناؤ تک پہونچتا ہے۔ (باقی صفحہ پر)

(۲) ایضاً ۔ مولوی عبدالرزاق کانپوری صاحب البرامکہ

(۳) 〃 ۔ مولوی شبلی نعمانی (شمس العلماء) پروفیسر علی گڑھ[۵۵]

مولوی عبدالرزاق کانپوری تاریخی واقعات کو صفحات قرطاس میں منضبط کرنے کا اس قدر اچھا سلیقہ رکھتے تھے کہ ریاست بھوپال کی یگانہ روزگار، علم دوست، محترمہ سلطان جہاں بیگم ملقب بہ سرکار عالیہ نے جو خود کئی مہتم بالشان تاریخی و اصلاحی کتابوں کی مصنفہ تھیں۔ اس جوہر نایاب کی خلقی صلاحیتوں کو پرکھا اور موصوف کو شعبہ تاریخ کا مہتمم بنایا۔ اس سلسلہ میں علامہ سید عابد علی وجدالحسینی قاضی بھوپال کا مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو جو قاضی موصوف کی کتاب "تاریخ ریاست بھوپال" کے صفحہ ۱۰۳ پر مندرج ہے۔ انھوں نے (سلطان جہاں بیگم) نے اپنے عہد میں شعبۂ تاریخ کو ترقی دی۔ مولوی عبدالرزاق کانپوری (جو علامہ شبلی کے ہمعصر تھے) ان کو مہتمم تاریخ بنایا۔ جس طرح علامہ شبلی نے خلفائے اسلام کو اپنا موضوع بناکر الفاروق، المامون لکھکر شہرت حاصل کی تھی۔ اسیطرح مولوی عبدالرزاق نے وزرائے اسلام پر البرامکہ و نظام الملک طوسی جیسی زبردست کتابیں لکھیں جن کی دھوم مچ گئی۔[۵۶]

موصوف مسلکاً شیعہ تھے آپکے والد سعادت علی خاں نے صوبہ بنگال میں بمقام چنسورہ سکونت اختیار کرلی تھی اور آپ (امیر علی) وہیں ۱۸۶۷ء میں پیدا ہوئے (قاموس المشاہیر جلد اول مرتبہ نظامی بدایونی ص ۱۰۸) اور انگلستان میں ۳ راگست ۱۹۲۸ء کو فوت ہوئے۔ تذکرہ ماہ و سال: مالک رام ص ۵۱ [۵۵] مولانا سید سلیمان ندوی کے استاد محترم اور مولانا محمد فاروق چریاکوٹی کے خاص شاگرد تھے۔ آپ ۱۸۵۷ء میں بندول ضلع اعظم گڑھ (یو۔پی) میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۸ رنومبر ۱۹۱۴ء مطابق ۲۸ رذی الحجہ ۱۳۳۲ھ کو صبح کے وقت بعمر ستاون سال انتقال فرما گئے۔ یادرفتگاں ص ۱۶، ۲۹-۱ انجمن ندوۃ العلماء کے خاص رکن تھے۔ ندوہ کو آپ کی ذات سے کافی فائدہ پہنچا اور آپ کی معتمدی کے زمانے میں ندوہ نے کافی ترقی کی۔

[۵۶] "تاریخ ریاست بھوپال"

از علامہ سید عابد علی وجدالحسینی قاضی بھوپال۔

مولانا ابوالکلام آزاد خاص طور سے آپ (عبدالرزاق کانپوری) کی نقطہ سنجی اور تاریخ دانی کے اس حد تک قائل تھے کہ کسی تاریخی موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے آپ سے مشورہ ضرور لیتے تھے۔[۵۷]

مولوی عبدالرزاق کانپوری۔ کانپور کے مچھلی بازار کی مسجد کے سانحہ کے ایک ہفتہ بعد نواب وقار الدولہ، وقار الملک مولوی حاجی مشتاق حسین خاں بہادر سے ملنے ان کے وطن امروہہ گئے، اطلاع ملنے پر حاجی صاحب مکان سے گلی کے باہر تک استقبال کو تشریف لائے اور جب مولوی صاحب کمرے میں داخل ہوئے تو حاجی صاحب نہایت تیزی سے نکلے اور ان کے بوٹ کو آنکھوں سے لگالیا۔

بقول مولوی عبدالرزاق:

> "اسوقت میں بدحواس تھا کہ کیا کروں؟ میں نے شانہ پکڑ کر نواب صاحب کو اٹھایا اور عرض کیا کہ حضور والا یہ عزت افزائی کس بنا پر فرمایا میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ مصنف البرامکہ بھی واقعہ کانپور میں شہید ہو چکا ہے اس لیۓ عالم بے قراری میں اس طریقہ سے میں نے تمہاری تعظیم کی اور تمکو دیکھکر میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔[۵۸]"

مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے ندوۃ العلماء کے قیام کے خیال والی بات ایک خط میں رقم کی ہے جبکہ مولوی عبدالرزاق کانپوری نے یاد ایام میں "تاسیس ندوۃ العلماء کی مختصر تاریخ" کے عنوان سے اس موضوع پر تفصیلی باتیں قلم بند کی ہیں جو گیارہ صفحات پر محیط ہے۔ عنوان کی ابتدائی سطور کا تیور اور بات کہنے کا لہجہ کافی وزنی اور وقیع ہے ابتدائی صف

---

۵۷ مولوی عبدالرزاق کانپوری۔ سیدہ باتو مضمون مشمولہ فکر و نظر نامورانِ علی گڑھ تیسرا کارواں جلد اول ص ۵۶

۵۸ یاد ایام ص ۲۰۰-۲۰۳۔ حاجی مشتاق حسین کا سنہ ولادت ۱۸۴۱ء اور سنہ وفات ۱۹۱۰ء ہے۔

تین سطریں ملاحظہ ہوں :

" روئداد ندوۃ العلماء میں ہنوز یہ نہیں لکھا گیا ہے کہ اس اسلامی انجمن کا بانی کون ہے اور یہ خیال کس دماغ کا مرہون منت ہے لہذا میں اسکی مختصر تاریخ لکھتا ہوں کہ صفحات تاریخ میں درج رہے [۵۹] "

مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی ندوۃ العلماء کی بابت اپنی یادداشت کا آغاز ۱۳۱۱ھ سے کرتے ہیں جبکہ مولوی عبدالرزاق کانپوری ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۸۹۱ء سے آغاز سخن کرتے ہیں وہ وقت ماہ وسال کے تعین کے ساتھ ندوہ کے خاکہ کی قطعی بات اس طرح کرتے ہیں :

دسمبر ۱۸۹۱ء میں مجھے فتحپور جانے کا اتفاق ہوا اور جناب استاذی حکیم مولوی ظہور الاسلام صاحب سے علی گڑھ کا ذکر آیا تو فرمایا میں آج ہی صبح کو ڈپٹی عبدالغفور سے ایک اہم مسئلہ میں گفتگو کر رہا تھا بہتر ہوگا کہ اس معاملہ میں ڈپٹی صاحب سے دوبارہ گفتگو کی جائے اور تم بھی میرے ہمراہ چلو۔ چنانچہ بعد نماز عصر ڈپٹی صاحب سے گفتگو ہوئی کہ مسلمانوں کی مذہبی اصلاح اور قدیم مشرقی تعلیم درس نظامیہ کی اشاعت اور تحفظ اسلام کیلئے ایک کمیٹی مقرر کی جائے اور مشاہیر علماء ہند کے مشورہ سے بمقام کانپور یہ مذہبی انجمن قائم ہو ۔ "

مولوی عبدالرزاق کانپوری نے مولوی ظہور الاسلام کے ارشاد کے مطابق علی گڑھ

---

[۵۹] یادایام ص ۱۰۲

میں ۲۶ دسمبر ۱۸۹۱ء کی شب میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی اسٹینڈنگ کمیٹی (جلسہ مشاورت) میں رزولیشن پیش کیا لیکن یہ رزولیشن نامنظور ہوگیا اور ۲۷ دسمبر ۱۸۹۱ء کو جلسۂ عام میں پیش نہ ہوسکا جب علی گڑھ سے واپسی پر مولوی عبدالرزاق نے مولانا ظہورالاسلام صاحب کی خدمت میں علی گڑھ کے واقعات پیش کئے تو مولانا نے مولوی عبدالرزاق سے فرمایا :

"خیر کچھ مضائقہ نہیں ہے اب دوسری کارروائی کی جائیگی۔"

اور دوسری کارروائی یہ کی گئی کہ مولانا نے کانپور جاکر ڈپٹی عبدالغفور صاحب کے مکان پر ازسرنو مشورہ کیا اور حسب ذیل علماء کی مشاورتی کمیٹی تشکیل کی کمیٹی میں شمول سبھی علماء درس نظامیہ کے فاضل اور مدرسہ دیوبند و فیض عام کانپور سے متعلق تھے۔

۱- مولوی سیّد محمد علی کانپوریؒ

(ناظم اول ندوۃ العلماء)

۲- مولانا اشرف علی تھانویؒ

(مدرس مدرسہ جامع العلوم)

۳- مولانا فخرالحسن گنگوہیؒ

(کانپور میں مطب اور درس حدیث جاری تھا)

۴- مولانا نور محمد پنجابیؒ

(صدر مدرس مدرسۂ اسلامیہ فتحپور)

۵- مولانا احمد حسن کانپوری معقولی

۶ - مولانا سید محمد ظہور الاسلام فتحپوریؒ

(بانی مدرسہ اسلامیہ فتحپور)
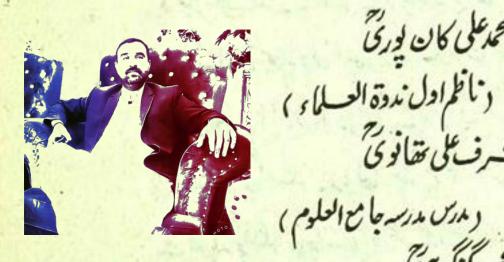
۷ - منشی عبدالغفور ڈپٹی کلکٹر کانپور

۸ - مولوی عبدالرزاق کانپوری

(آنریری ممبر ورودادنگار)

اس کمیٹی کے تین حضرات فتحپور کے تھے اور ایک کا ننہال فتحپور میں تھا۔ باقی چار میں سے ایک مولانا سید محمد علی کانپوری تھے ان کی ساتویں پشت کے بزرگ شاہ محمد نصیب شاہ شیخ پور کھتولی ضلع منظفر نگر کو خیرباد کہکر کانپور تشریف لائے تھے۔ اسوقت کانپور ایک معمولی جگہ تھی اور فوجی کیمپ ہونے کی وجہ سے عام لوگ اسے کمپو کہتے تھے۔ شاہ صاحب نے احاطہ، کمال خاں کی اس جگہ کو جہاں مسجد دولاری واقع ہے رہائش کے لئے پسند فرمایا اور یہیں مولوی محمد علی ۲۸ جولائی ۱۸۴۶ء کو ولادت پذیر ہوئے۔ بقیہ تین حضرات کانپور میں درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

مذکورۃ السبق کمیٹی کے ماہانہ جلسے کانپور میں لگاتار ہوتے رہے اور یہیں مدرسہ فیض عام کے دستار بندی کے جلسہ منعقدہ ۱۳۱۰ھ م ۱۸۹۲ء میں یہ طے ہوا کہ آئندہ

سال مدرسہ فیض عام کے سالانہ جلسہ کے موقع پر مشاہیر علماء ہند کو اس مجلس کے عام اجلاس میں شرکت کی دعوت دی جائے اور اس دعوت نامے کے اشتہارات اخبارات میں مسلسل شائع کئے جائیں۔

مولانا محمد الحسنی صاحب نے ندوۃ العلماء کے قیام کے بارے میں کلام کا آغاز سنہ ۱۳۱۰ھ مطابق سنہ ۱۸۹۲ء کے مدرسہ فیض عام کے جلسہ دستاربندی سے کیا ہے۔ متعلقہ سطور ملاحظہ ہوں:

"سنہ ۱۳۱۰ھ مطابق سنہ ۱۸۹۲ء میں مدرسۂ فیض عام کانپور کے جلسۂ دستاربندی کے موقع پر علماء کی ایک مجلس مشاورت نے اتفاق رائے سے یہ بات طے کی کہ علماء کی ایک مستقل انجمن قائم کی جائے اور آئندہ سال دستاربندی کے موقع پر اس کا پہلا عام جلسہ منعقد کیا جائے اور ہندوستان کے تمام ممتاز علماء کو اس میں شرکت کی دعوت دی جائے[۶۰]۔"

مولانا محمد الحسنی صاحب نے اگلے صفحہ پر اس جلسۂ دستاربندی میں شریک ہونے والے بعض ممتاز اور نامور علماء کے نام رقم کئے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن رح (مدرس اول مدرسہ دارالعلوم دیوبند)
۲۔ مولانا اشرف علی تھانوی رح (مدرس مدرسہ جامع العلوم کانپور)
۳۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری رح (مدرس دوم دارالعلوم دیوبند)
۴۔ مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی رح۔
۵۔ مولانا سید محمد علی مونگیری رح۔

---

۶۰ سیرت مولانا محمد علی مونگیری ص ۱۱۵

۶ - مولانا لطف اللہ علی گڑھیؒ۔

۷ - مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ۔

۸ - مولانا نور محمد پنجابیؒ (صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ فتحپور)

۹ - مولانا احمد حسن کانپوریؒ۔

۱۰ - مولانا سید سلیمان پھلواریؒ۔

۱۱ - مولانا سید ظہور الاسلام فتحپوریؒ۔

۱۲ - مولانا عبد الغنی خاں مئو رشید آبادیؒ۔

۱۳ - مولانا حکیم فخر الحسن گنگوہیؒ۔

۱۴ - مولانا شاہ تجمل حسین دلیسنویؒ۔"[۶۱]

اس اقتباس کی ایک بات تو یہ قابل غور ہے کہ مولانا موصوف نے لکھا ہے کہ:

"علماء کی ایک مجلس مشاورت نے اتفاق رائے سے یہ بات طے کی"

لیکن موصوف نے ان علماء کے نام منکشف نہیں کئے جبکہ مولوی عبد الرزاق کانپوری نے مجلس مشاورت کے سبھی ارکان کے اسماء گرامی مع ان کے مختصر لازمی تعارف مندرج کئے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ مشاورتی کمیٹی کے ماہانہ جلسے مسلسل دو سال تک ہوتے رہنے کی بات بھی لکھی ہے۔ اور مدرسہ فیض عام کے اس جلسہ دستار بندی کے ممتاز شرکاء کے نام بھی لکھ دیئے ہیں جن کا ذکر ماسبق کے اقتباس میں مولانا سید محمد الحسنی صاحب نے کیا ہے۔ مولوی عبد الرزاق کانپوری رقمطراز ہیں علماء مذکورہ بالا کے علاوہ جو مقدس ہستیاں اس جلسہ میں شریک تھیں ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد لطف اللہ علی گڑھی۔[۶۲]

---

[۶۱] سیرت مولانا محمد علی مونگیری۔ ص ۱۱۶ [۶۲] مولانا لطف اللہ: ولادت پلکھنہ ضلع علی گڑھ (باقی ص ۹۶ پر)

(۲) مولانا حافظ محمد حسین صاحب الہ آبادی۔

(۳) مولانا محمد خلیل احمد صاحب مدرس دیوبند۔

(۴) مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری۔

(۵) مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند مدرس مدرسہ دیوبند۔

(۶) مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواری۔

(۷) مولانا شاہ حافظ تجمل حسین صاحب خلیفہ حضرت شاہ فضل رحمٰن صاحب)

(۸) مولانا عبد الغنی صاحب مؤرشید آبادی۔

(۹) مولانا عبد الحق صاحب حقانی دہلوی۔

چنانچہ اس جلسہ میں جو سنہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں ہوا تھا یہ طے پایا کہ آئندہ سال فیض عام کے سالانہ جلسہ کے موقع پر تمام ہند کے علماء کو دعوت دی جائے کہ وہ اس جلسۂ عام میں شرکت فرمائیں اور اس مجلس کا نام ندوۃ العلماء قرار پایا۔ اور اخبارات میں مسلسل اشتہارات شائع کئے گئے۔ اور اس مجلس کے ناظم مولانا سید محمد علی صاحب خلیفہ شاہ فضل رحمٰن صاحب قرار پائے۔[۶۳]

اس موقع پر یہ لکھنا بے محل نہ ہوگا کہ مولانا محمد الحسنی صاحب نے شرکاء مجلس کے جن بعض ممتاز اور نامور علماء کے اسماء گرامی قلم بند کئے ہیں ان میں چھ نام مولانا ظہور الاسلام صاحب کی آٹھ نفوس پر مشتمل مشاورتی کمیٹی میں شامل ہیں اور بقیہ آٹھ مولوی عبد الرزاق کانپوری کی نو نفوس

سنہ ۱۳۴۴ھ وفات یکشنبہ ۹ ذی الحجہ سنہ ۱۳۳۴ھ مطابق ۸ اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء۔ مدفن قبرستان شاہ جمال علی گڑھ۔ تذکرہ ماہ و سال ص ۳۲۶۔ و استاد العلماء مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی صفحات ۳، ۲۹۔

۶۳ یاد ایام۔ ص ۱۰۴ و ۱۰۵

پر مشتمل مذکورۃ السبق فہرست میں مشمول ہیں۔ یہ مقدس ہستیاں ان علماء کے علاوہ ہیں جو ابتدائی مشاورتی کمیٹی میں بحیثیت رکن شامل ہیں۔ مولانا محمد الحسنی صاحب کی معرض بحث فہرست میں مولوی عبدالرزاق کانپوری کی رقم کردہ مشاورتی کمیٹی کے دو نام (منشی عبدالغفور ڈپٹی کلکٹر و مولوی عبدالرزاق کانپوری) اور ۱۸۹۲ء کے جلسہ دستار بندی فیض عام میں شریک ممتاز علماء کی فہرست میں کا ایک نام (مولوی عبدالحق حقانی) شامل نہیں ہے۔ مولوی عبدالرزاق کانپوری کی دونوں فہرستوں میں علماء کی تعداد ستّرہ ہے جبکہ مولانا محمد الحسنی صاحب کی فہرست میں ۱۴ نام مندرج ہیں۔ مؤخر الذکر فہرست میں جو تین نام مندرج نہیں ہیں وہ کافی اہم اور خاصے وقیع ہیں۔ مولوی عبدالرزاق کانپوری ابتدائی مشاورتی کمیٹی میں روز اول سے (جبکہ اس کمیٹی کو ندوۃ العلماء کا نام نہ ملا تھا بلکہ وہ محض اپنے اغراض و مقاصد سے پہچانی جاتی تھی اور مولانا ظہور الاسلام صاحب اسکو مذہبی انجمن کہتے تھے) آنریری ممبر اور رُوداد نگار کی حیثیت سے شامل تھے۔ انھوں نے برسوں ندوۃ العلماء کے آنریری محاسب[۶۴] کے فرائض بھی بحسن و خوبی انجام دیے۔ ندوۃ العلماء کے پانچویں جلسہ کی رُوداد میں محاسب ندوۃ العلماء کی حیثیت سے مولوی عبدالرزاق کانپوری (جو اس زمانہ میں منشی عبدالرزاق کانپوری کہے جاتے تھے۔) کی یادداشت منقول ہے۔ یہ یادداشت رُوداد جلسۂ پنجم ندوۃ العلماء منعقدہ ۱۴، ۱۵ ار شوال ۱۳۱۰ھ مطابق ۸ مارچ ۱۸۹۸ء روز دوشنبہ و سہ شنبہ واقع کانپور میں صفحات ۶۰، ۶۱، ۶۲، اور ۶۳ میں محفوظ ہے۔

اس رُوداد میں ندوۃ العلماء کے سال چہارم شوال ۱۳۱۴ھ لغایۃ رمضان ۱۳۱۵ھ کی تمام مدات کے مفصل آمد و خرچ کا محاسبہ مرقوم ہے۔ اس یادداشت کے مندرجات سے اس بات کی آگاہی ہوتی ہے کہ قحط سالی اور طاعون کی وجہ سے ۱۳۱۵ھ۔ ۱۸۹۸ء میں ندوۃ العلماء

---

۶۴ یاد ایام ص ۱۱۶۔

کا سالانہ جلسۂ عام منعقد نہیں ہوا۔

یہ محاسبہ چند سطور اور ایک نقشہ پر مشتمل ہے۔ نقشہ کے اختتام پر مولوی عبدالرزاق کانپوری کے دستخط بایں طور ثبت ہیں۔ دستخط محاسب

محمد عبدالرزاق۔[۶۵]

ڈپٹی عبدالغفور ابتدائی مشورہ کے علاوہ پہلی آٹھ رکنی کمیٹی میں شامل تھے۔ موصوف نے مدرسۂ فیض عام کے جلسۂ دستار بندی منعقدہ ۱۵، ۱۶، ۱۷ شوال ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۲، ۲۳، ۲۴ اپریل ۱۸۹۴ء میں چندہ کی تحصیل کے وقت سو روپئے کا گرانقدر عطیہ مرحمت فرمایا تھا۔ چندہ کی کی رقم روئداد جلسۂ دستار بندی مدرسۂ فیض عام کانپور مع کیفیت ندوۃ العلما منعقدہ ۱۵، ۱۶، ۱۷ شوال ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۲، ۲۳، ۲۴ اپریل ۱۸۹۴ء میں مشمول فہرست چندہ دہندگان کے پہلے نمبر شمار میں ۱۰۰ پر مولوی صاحب کے نام کے آگے تعداد چندہ کے ذیل خانے میں درج ہے۔ اس فہرست میں ۳۲ اشخاص کا چندہ رقم ہے۔ فہرست کا سب سے بڑا چندہ یہی ہے۔ اتنی خطیر رقم کا صرف ایک چندہ اور ملتا ہے اور وہ ہے جناب علیم الدین احمد صاحب رئیس اعظم کلکتہ کا لیکن ان کا چندہ نقد نہیں بلکہ بطور وعدہ مندرج ہے۔

اور مولانا عبدالحق حقانی ——————

حقانی کی شخصیت اتنی اہم تھی کہ علامہ سید سلیمان ندوی نے ایک مقام پر تحریر فرمایا ہے:

"اس عہد کے نوجوان علماء نے زمانے کے انقلاب سے متاثر اور
قوم و ملت کی تباہ حالی کے درد سے بے تاب ہو کر روشن زمانہ کے

---

[۶۵] روئداد جلسۂ پنجم ندوۃ العلماء منعقدہ ۱۴، ۱۵ شوال ۱۳۱۵ھ مطابق ۸ مارچ ۱۸۹۸ء روز دوشنبہ سہ شنبہ واقع کانپور حسب ایما مجلس انتظامیہ ندوۃ العلماء مطبوعہ اسلامی پریس تحفۂ محمدیہ کانپور، صفحات ۶۰، ۶۱، ۶۲ و ۶۳

مطابق کچھ کام کرنا چاہتے تھے ندوۃ العلماء کے نام سے پہلے
کانپور میں اور پھر لکھنؤ میں ایک انجمن کی بنیاد ڈالی۔ مولانا سید
محمد علی صاحب، مولانا شبلی صاحب، مولانا عبدالحق حقانی صاحب
مولانا سید ظہور الاسلام صاحب فتحپوری، مولانا ابراہیم صاحب
..........، مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواری
وغیرہ اس جماعت کے ممتاز ارکان تھے[۶۶]۔ موصوف ندوہ کے
مختلف اجلاسوں میں مؤثر و مدلل تقریریں کرتے اور مفید و کارآمد
تجویزیں رکھتے تھے ——————"

مولوی محمد الحسنی کے مذکورۃ السبق اقتباس کے الفاظ "علماء کی ایک مجلس مشاورت نے اتفاق رائے سے یہ بات طے کی کہ علماء کی ایک مستقل انجمن قائم کی جائے۔" سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ علماء کی کوئی مجلس مشاورت پہلے سے موجود تھی۔ جس نے اپنے منصوبے کو تعمیم دینے اور اپنے اغراض و مقاصد کو عام کرنے کی غرض سے آئندہ سال کے مدرسہ فیض عام کے جلسہ دستار بندی کے موقع پر پہلے عام جلسہ کے انعقاد کی بات کی۔ اسی سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ندوۃ العلماء کا خاکہ اس سے پیشتر بن چکا تھا جس کے اغراض و مقاصد متعین تھے۔ مولانا محمد الحسنی نے مجلس مشاورت کے نام نہیں کھولے جبکہ مولوی عبدالرزاق کانپوری نے اسی مجلس مشاورت کو آٹھ رکنی کمیٹی بتایا ہے اور اسکے سبھی آٹھ ارکین کے نام مع اجمالی تعارف قلم بند کئے ہیں اور یہ بتلایا ہے کہ ندوۃ العلماء کا خاکہ مولوی ظہور الاسلام صاحب کے ذہن کا رہین منت ہے اور اسکو عملی جامہ بھی مولانا ہی نے پہنایا۔ مولوی عبدالرزاق کانپوری کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

---

[۶۶] یادِ رفتگاں۔ علامہ سید سلیمان ندوی ص ۱۵۷

"بعد نماز عصر ڈپٹی صاحب سے گفتگو ہوئی کہ مسلمانوں کی مذہبی اصلاح اور قدیم مشرقی تعلیم (درس نظامیہ) کی اشاعت اور تحفظ اسلام کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جائے اور مشاہیر علماء ہند کے مشورہ سے بہ مقام کانپور یہ مذہبی انجمن قائم ہو۔"[٦٦]

مولانا نے کانفرنس کے سالانہ جلسوں کے ساتھ اس انجمن (ندوۃ العلماء) کے انعقاد کا رزولیشن علی گڑھ کی ایجوکیشنل کانفرنس میں رکھوایا کیونکہ یہ کانفرنس اسوقت خاص وقیع تھی۔ وہاں رزولیشن ساقط ہو جانے پر مولانا نے دوسری کاروائی کی۔ مولانا نے انجمن کے لئے کانپور کا انتخاب اس لئے فرمایا کیونکہ وہاں اسوقت اتفاق سے مولانا کے ایک ہموطن اور دیرینہ رفیق مولوی عبد الغفور صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے اور بغرض درس وتدریس ہندوستان کے نامور علماء دین بھی وہاں جمع تھے۔ مولانا اشرف علی تھانوی مدرسۂ فیض عام کانپور سے اپنے تدریسی روابط منقطع کر کے جامع العلوم ٹپکاپور میں بہ حیثیت مدرس اول اپنے فرائض منصبی انجام دے رہے تھے اور مولانا سید محمد علی کانپوری مدرسہ فیض عام میں مدرس تھے۔ اسوقت مدرسہ فیض عام کو ہندوستان گیر وقعت وشہرت حاصل تھی۔ مولانا احمد حسن معقولی مدرسہ فیض عام کانپور میں مدرس اول تھے اور مولانا حکیم فخر الحسن گنگوہی بھی بہ سلسلہ درس حدیث وپیشہ طبابت کانپور میں مقیم تھے۔ اس طور پر مولانا کا اس عظیم منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کانپور کا انتخاب ہر صورت موزوں ومتناسب تھا۔

مولانا محمد الحسنی نے لکھا ہے کہ" روئداد ندوۃ العلماء ۱۳۱۱ھ بابت سال اول میں مولانا محمد علی اس ابتدائی اور بنیادی جلسہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سنہ ۱۳۱۰ھ میں جب بہت سے نامور علماء مدرسہ فیض عام کانپور

---

[٦٦] یاد ایام ۔ مولوی عبد الرزاق کانپوری ص ۱۰۲

کے دستار بندی میں رونق افروز ہوئے اسوقت بعض دوراندیش
علماء نے تحریک کی کہ ایک انجمن علماء کی قائم کی جائے تاکہ جو
خرابیاں مسلمانوں خصوصًا ان کی تعلیم میں واقع ہوگئی ہیں
ان پر غور کرے اور علماء میں اتحاد پیدا ہو۔ اس تحریک کو تمام
علماء موجودین نے پسند فرمایا اور اسوقت آئندہ کاروائی
کرنے کی غرض سے عہدہ دار بھی منتخب ہوئے[۶۸]۔۔۔۔۔۔"

مولانا محمد علی کا منقولہ بیان "بعض دوراندیش علماء نے تحریک کی" اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ یہ تحریک مولانا محمد علی صاحب کی نہ تھی اور وہ اسکے اصل محرک نہ تھے، ورنہ وہ لکھتے کہ راقم نے یہ تحریک کی۔ یا بعض دوراندیش علماء نے بشمول راقم یہ تحریک کی یا اس قبیل کا کوئی دوسرا فقرہ۔

تحریک سے ماقبل خیال پیدا ہوتا ہے۔ خیال تغیر و تبدل کا رہین منت ہوتا ہے اور خیال کو تحریک کی منزل تک پہونچنے سے پہلے میلانات و رجحانات کے مراحل طے کرنے پڑتے ہیں۔ مندرجہ بالا جملے سے اس بات کا بھی انکشاف ہوتا ہے کہ یہ خیال بھی جس نے تحریک کی شکل اختیار کی، مولانا محمد علی کے ذہن کی پیداوار نہ تھا۔ اس طور پر اس جملے سے بھی تاسیس ندوہ کی بابت مولوی عبد الرزاق کانپوری کے مندرجات کی تصدیق ہوتی ہے۔

فتحپور میں ڈپٹی عبد الغفور صاحب کے مکان پر بعد نماز عصر جو گفتگو مولانا ظہور الاسلام صاحب نے کی اس میں ندوۃ العلماء کے اغراض و مقاصد بھی شامل ہیں اور اس کے مقام کا تعین بھی ہے۔

مذکورہ بالا سطور سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ تاسیس ندوہ کی بابت مولانا

---

[۶۸] سیرت مولانا محمد علی مونگیری ص ۱۱۶ و ۱۱۷

حبیب الرحمٰن خاں شروانی کا وہ بیان جو مولانا محمد علی کانپوری کے صاحب زادے مولانا لطف اللہ مرحوم کو لکھے گئے ایک خط میں مشمول ہے، مولوی عبدالرزاق کانپوری کے بیان کے مقابلے میں مستند نہیں ہے اور تاسیس ندوہ کی بابت مولوی عبدالرزاق کانپوری کی مفصل روداد قطعی طور پر درست، صحیح اور ناقابل تردید حد تک یقینی ہے۔

یہاں پر مولانا سید سلیمان ندوی کا وہ جملہ جو موصوف نے مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کو لکھا تھا کہ —— "آپ کے اس تصدیق کر دینے سے افسانہ بھی تاریخ بن جائے گی ——" بہت یاد آتا ہے کیونکہ بانی ندوہ والے مسئلہ میں انہیں مولانا شروانی[۶۹] کے غلط فہمی پر مبنی اس قول نے —— "ندوۃ العلماء کے قیام کا اولاً موصوف ہی کے دماغ میں خیال پیدا ہوا تھا جس پر سارے ملک نے لبیک کہا آج اسکے آثار ملک و ملت کے سامنے ہیں" ایک غلطی کو تاریخ کا جز بنا دیا اور اس غلطی نے اس حد تک تشہیر حاصل کر لی کہ مولانا محمد علی کانپوری ہی بانی ندوہ سمجھے جانے لگے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی کافی تحیّر خیز ہے کہ مولانا سیّد محمد علی کانپوری (جن کی پیدائش کانپور میں ہوئی تھی) کی کئی پشتیں مسلسل کانپور میں متوطن رہیں اور خود ان کی زندگی کا بیشتر حصہ کانپور میں گذرا۔ ان کی ایک شادی کانپور میں اور دو شادیاں مظفر نگر (یو۔پی) میں ہوئیں لیکن ان سب کے باوجود خدا معلوم کن اغراض و مصالح کے تحت مولانا کانپوری نہ ہو کر مونگیری ہو گئے؟ آخری زندگی کو مدّ نظر رکھکر مولانا زیادہ سے زیادہ کانپوری ثم مونگیری لکھے جا سکتے تھے۔

یہاں پر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ مولانا سیّد محمد علی نے مونگیر میں اقامت گزینی کے بعد بھی کانپور سے اپنے روابط منقطع نہ کئے تھے، انھوں نے اپنے کانپور والے

[۶۹] غلط فہمی کا لفظ یہ فرض کر کے لکھا گیا ہے کہ موصوف کے مشارٌ الیہ جیسا مولانا محمد الحسنی نے رقم کیا ہے مولانا محمد علی کانپوری ثم مونگیری ہیں۔ واضح ہو کہ ندوہ کے کتب خانہ میں نہ مولانا شیروانی کا محولہ بالا مکتوب ملا اور نہ مقالہ متعلقہ سوانح از منت اللہ رحمانی ہی ملا۔

آبائی مکان کو فروخت نہیں کیا۔ یہ مکان آجتک ان کے ورثار کی تولیت میں ہے۔ مکان مذکور احاطہ کمال خاں میں مسجد دولاری[۵۸] کے دکنی پھاٹک کے سامنے واقع ہے اس کا اس وقت نمبر ۴۲/۲۰۲ ہے۔ یہ مکان دو منزلہ ہے اور دونوں منزلوں میں کرایہ دار مقیم ہیں۔ اس مکان کا کرایہ جناب مولانا منت اللہ رحمانیؒ امیر شریعت بہار کو ان کی زندگی تک ارسال کیا جاتا رہا۔ اب ان کے ورثار کو بھیجا جاتا ہے[۵۹]

واضح ہو کہ ان کے معاصرین نے ان کو کانپوری ہی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:

یادایام از مولوی عبدالرزاق کانپوری ص ۱۰۴، اور یادرفتگاں

از سید سلیمان ندوی ص ۲۸ ——— [۶۰]

---

[۵۸] یہ قدیمی مسجد مولانا محمد علی مرحوم کے مکان کے سامنے شمالی جانب مشرق سے مغرب جانیوالی سڑک کے دوسری طرف واقع ہے۔ مکان کے دروازے اور مسجد دولاری کے پھاٹک آمنے سامنے ہیں۔ درمیان میں صرف متذکرہ بالا سڑک ہے۔ اس مسجد میں بڑے بڑے علمار صلحار نمازیں ادا کرتے تھے اس مسجد کے مغرب میں حسرت موہانی کا مکان تھا وہ بھی اسی مسجد میں نماز ادا کرتے تھے مسجد دولاری کا کتبہ ملاحظہ ہو۔

> بسم اللہ الرحمن الرحیم
> افضل الذکرۃ لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ
> مسجد دولاری زوجہ دین محمد خاں طباخ مرشد آنہا سید غلام مصطفےٰ
> قادری سنہ ۱۲۱۹ ہجرۃ البنوۃ صلعم

مسجد دولاری کے شمال جانب خانقاہ غلام حسینؒ ہے۔ مسجد دولاری پہلے کچی تھی۔ مرحوم غلام حسین صاحب نے اس مسجد کی توسیع کی اور اسکو پختہ کیا۔ مسجد کی چھت دار عمارت کے سامنے کچھ حصے میں سات دریں جو تھے در پہ بائیں جانب کتبہ متذکرۃ السبق لگا ہوا ہے۔ دائیں جانب غلام حسین صاحب کی توسیع والا کتبہ ہے۔ کتبے میں کندہ سنہ ۱۲۱۹ھ کا عیسوی سنہ مطابقت از روئے تقویم سنہ ۱۸۰۴ء ہے۔ ماخوذ از انٹرویو عالی جناب حکیم زبیر صاحب دام اقبالہٗ بتاریخ ۱۱ مارچ سنہ ۱۸۹۶ء بروز دوشنبہ۔

[۵۹] انٹرویو حکیم خواجہ محمد زبیر۔ احاطہ کمال خاں کانپور مکان نزد مسجد دولاری مطب نزد چھوٹی عیدگاہ نئی سڑک کانپور جوابی زبانی سوانامہ۔ سائلین ڈاکٹر ایم۔ اسماعیل آزاد و مولوی نجیب اصغر بتاریخ ۱۱ مارچ سنہ ۱۹۹۶ء بروز دوشنبہ ۱½ بجے دوپہر بر مطب نزد چھوٹی عیدگاہ کانپور [۶۰] سید سلیمان ندوی نے مولانا محمد علی کو بعد وفات مولانا محمد علی صاحب کانپوری رحمۃ اللہ لکھا ہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب شروانی نے استاذ الاساتذہ مولانا محمد لطف اللہ علی گڑھی کی مختصر سوانح عمری "استاد العلماء" نام سے لکھی۔ مولانا شروانی نے اس کتاب میں کہیں بھی مولانا سید محمد علی کو مونگیری نہیں لکھا بلکہ انھوں نے اپنی اس کتاب کے صفحہ ۴۰ میں مولانا موصوف کو "مولوی سید محمد علی صاحب مرحوم کانپوری" اور صفحہ ۴۷ و صفحہ ۵۰ میں مولوی سید محمد علی صاحب کانپوری" ہی کہا ہے۔

سیرت مولانا محمد علی مونگیری۔ بانی ندوہ کے مصنف مولانا محمد الحسنی کے مندرجات کی روشنی میں مولانا محمد علی کانپور میں ۳ر شعبان المعظم ۱۲۶۲ھ مطابق ۲۸ر جولائی ۱۸۴۶ء کو بہ مقام کانپور ولادت پذیر ہوئے[۷۳]۔ مولانا بعض معاصرین کی معرکہ آرائیوں اور ان کی نکتہ چینیوں کی بنا پر ۱۳۱۶ھ سے ترک وطن کا ارادہ کر رہے تھے لیکن ان کے اس ارادے نے ۱۳۲۰ھ میں عملی جامہ پہنا اور مولانا اسی سنہ میں کانپور کو خیرباد کہہ کر مونگیر (بہار) میں اقامت گزیں ہو گئے[۷۴]۔ مولانا نے ندوۃ العلماء سے اپنا آخری استعفیٰ ۱۳۲۱ھ[۷۵] میں بذریعہ اخبارات شائع کر دیا جو ۲۳ر ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹ر جولائی ۱۹۰۳ء میں منظور کر لیا گیا۔

مولانا کا وصال ۹ر ربیع الاول ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۳ر ستمبر ۱۹۲۷ء میں بعمر اکیاسی سال (شمسی لحاظ سے) بروز شنبہ بمقام مونگیر ہوا[۷۶]۔

اس طرح مولانا نے اپنی حیات مستعار کا دو تہائی سے زائد حصہ (تقریباً ۵۷ سال[*]) کانپور میں گزارا، موصوف نے یہاں درس و تدریس، اشاعت اسلام، تحفظ دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے علاوہ مختلف سماجی کاموں میں حصہ لیا۔ مونگیر میں مولانا کی اقامت کی کل مدت

---

[۷۳] سیرت مولانا محمد علی مونگیری ص ۷ [۷۴] ایضاً ص ۲۸۸ برحاشیہ ۱ [۷۵] ایضاً ص ۲۸۸ [۷۶] ایضاً ص ۴۱۷

[*] اس میں حرمین شریفین میں یک سالہ مدت اقامت شمول ہے۔ راقم

تقریباً[۷۶] ۲۶ سال ہے جو مولانا کی کل زندگی کے ایک تہائی حصہ سے کم ہے۔ کانپور والا آبائی مکان ابتک ان کے ورثا کے قبضے میں ہے اور اس مکان کا کرایہ آجتک ان کے ورثاء کو ارسال کیا جاتا ہے۔

وطن اصلی وہ مقام ہے جہاں انسان پیدا ہوتا ہے۔ خان صاحب مولوی سید احمد دہلوی نے لفظ وطن کی لغوی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وطن ع۔ اسم مذکر، رہنے اور قیام کرنے کی جگہ۔ اپنا دیش
زاد بوم، جنم بھومی، مسقط الراس، پیدا ہونے کی جگہ
پیدائش گاہ، اپنا ملک وطن[۷۷]"

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور آپ کی آرام گاہ مدینہ منورہ ہی ہے لیکن اس کے باوجود مشہور لغت گو شاعر قدسی نے اپنے مشہور و ممتاز قصیدہ میں آپ کو "مرحبا سید مکی مدنی العربی" کہا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے سنہ ۱۹۴۹ء کے سفر حج میں مدینہ منورہ میں ایک ماہ قیام کے دوران بارگاہ نبوی میں اپنے درد و عشق، عقیدت و محبت، عجز و نیاز، کیف و سرور کا اظہار ایک نعتیہ غزل میں کیا۔ اس نعتیہ غزل کا مطلع ملاحظہ ہو جس میں علامہ موصوف نے حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو مکی مدنی کہا ہے ؎

مکی، مدنی، ہاشمی و مطلبی ہے ∴ آدم کیلئے فخر یہ عالی نسبی ہے[۷۸]

مولانا حسرت موہانی گورنمنٹ انٹر کالج فتحپور میں موجود کاغذات کی رو[۷۹] سے

---

[۷۶] اس میں حرمین شریفین میں دو سالہ اقامت کی مدت مشمول ہے۔ راقمین

[۷۷] فرہنگ آصفیہ جلد چہارم خاں صاحب مولوی سید احمد دہلوی ص ۶۱۵ کالم نمبر ا۔

[۷۸] بزم رفتگاں، حصہ اول سید صباح الدین عبدالرحمٰن ص ۱۲۹ [۷۹] اسکالر رجسٹر نمبر ۵ (باقی آئندہ پر)

اجہاں موصوف نے درجہ سوم سے درجہ دہم تک تعلیم حاصل کی اور جہاں سے انہوں نے انٹرنس کا امتحان اول درجہ میں خاص امتیاز کے ساتھ ۱۸۹۹ء میں پاس کیا۔) ۱۸۸۳ء میں موہان[۸۰] ضلع اناؤ میں پیدا ہوئے۔ موصوف نے اپنے وطن موہان میں اپنی زندگی کا کم حصہ گذارا۔ ۱۹۲۵ء سے مستقل طور پر کانپور میں اقامت گزیں ہو گئے[۸۱]۔ ان کی بیوی اپنی صاحب زادی خالدہ بنت حسرت کے ساتھ مرحوم حسرت کے انتقال (۱۳ مئی ۱۹۵۱ء) کے بعد بھی کانپور میں رہتی رہیں اور یہیں احاطہ کمال خاں کے مکان نمبر ۲/۱۷ ۴۴ میں ۱۹۸۱ء میں فوت ہو کر قبرستان بساطیان میں مدفون ہیں[۸۲]۔

مولانا حسرت موہانی کی آخری آرامگاہ ان کے پیر کی ابدی خواب گاہ لکھنؤ کے مولانا انوار فرنگی محلی کا باغ ہے[۸۳]۔

لیکن مرحوم حسرت موہانی نہ کانپور میں اپنی مستقل اقامت کی بنا پر کانپوری بن سکے اور نہ اپنی آخری آرامگاہ فرنگی محل کے انوار باغ کی وجہ سے لکھنوی ہو سکے بلکہ اپنے مولد اور اپنے آبائی وطن موہان کی نسبت سے موہانی بنے رہے اور سدا اسی نام سے پہچانے جاتے رہیں گے۔ مرحوم نے اپنے انتقال سے اٹھائیس سال پیشتر ۲۶ مارچ ۱۹۲۳ء میں

فضل الحسن رجسٹر نمبر ۴۰۸ محزونہ آفس گورنمنٹ کالج فتحپور (حسرت کا نام سید فضل الحسن ہے۔ مولانا حسرت کی ٹی۔ سی۔ راقمین کے پاس محفوظ ہے۔

[۸۰] مولانا حسرت موہانی کا سنہ پیدائش ایک جدید انکشاف ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتحپوری ہفت روزہ ہماری زبان نئی دہلی ۸ دسمبر ۱۹۹۱ء ص ۲ (مشمولہ حسرت موہانی: ڈاکٹر خلیق انجم ص ۱۸ مطبوعہ پبلی کیشنز ڈویژن حکومت ہند [۸۱] حسرت موہانی اختر حسین مضمون مشمولہ کتاب حسرت موہانی مرتبہ پروفیسر ثریا حسین ص ۸۷۔

[۸۲] حضرت موہانی کی شاعری میں احتجاج، نفیس احمد صدیقی ص ۲۷۔

[۸۳] کلیات حسرت موہانی مولانا جمال الدین بن عبدالوہاب ص ۴۷

میں لکھی گئی ایک غزل کے مطلع میں کہا تھا۔

نہ چھوٹا دربارِ حسرت نہ چھوٹے
بہت ہم نے چاہا بنیں کانپوری[۵۴]

لیکن مولانا محمد علی کانپوری کے معاملے میں نہ ان کے مولد و مسقط الراس کانپور کا لحاظ رکھا گیا اور نہ یہ دیکھا گیا کہ ان کی سات پشتیں کانپور میں گذری ہیں اور نہ یہ سوچا گیا کہ انہوں نے اپنی زندگی کا دو تہائی سے زائد حصہ کانپور میں گذرا ہے بلکہ صرف ان کی آخری اقامت اور مدفن کو مدِنظر رکھکر ان کو مونگیری لکھا جانے لگا۔

مولوی عبدالرزاق کانپوری ۱۹۰۷ء سے ترک وطن کر کے بھوپال تشریف لے گئے، اور موصوف نے وہیں ۱۹۴۸ء تک اقامت گزیں رہ کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ بھوپال آپ کا آخری آرامگاہ بنا لیکن وہ بھوپالی نہ ہو کر کانپوری ہی رہے۔

اسیطرح نیاز فتحپوری کا آبائی وطن فتحپور تھا ان کی عمر عزیز کا بیشتر حصہ فتحپور سے باہر گذرا۔ زندگی کے آخری ایام میں پاکستان چلے گئے، اور وہیں کراچی میں مدفون ہیں لیکن پھر بھی وہ نہ لکھنوی بنے نہ پاکستانی جبکہ ان کی زندگی کا وہ حصہ جو لکھنؤ میں گذرا ہے فتحپور سے زیادہ ہے۔ پتہ نہیں مولانا محمد علی کانپوری کے معاملے میں کن مصلحتوں نے یہ یہ اصول نہ اپنا کر ان کو مونگیری بنا دیا۔

تعجب ہے کہ مولانا محمد الحسنی صاحب نے اپنی تصنیف "سیرت مولانا محمد علی مونگیری" کا ضمنی عنوان "بانی ندوۃ العلماء" کیسے رکھا؟ اور کیسے مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کے ایک نجی خط میں منقول بلا دلیل کے بیان کو مستند مانا اور کیسے ان کی نگاہ ایک ثقہ راوی اور مستند مورخ نیز ندوۃ العلماء کی تحریک سے روز اوّل سے وابستہ مولوی عبدالرزاق کانپوری کے مفصل و مدلل بیان اور ان کی مستقل تصنیف پر نہیں پڑی جبکہ مولوی

---

[۵۴] دیوان حسرت موہانی حصہ ششم مرتبہ بیگم حسرت موہانی ص ۲۸ الناظر پریس لکھنؤ۔

صاحب کی کتاب "یادایام" ۱۹۴۶ء میں مولوی عبدالحق اکیڈمی حیدرآباد سے اشاعت پذیر ہو چکی تھی۔

یادایام کے مندرجات کی روشنی میں مولانا محمد علی کانپوری کے بانی و محرک ہونیکا نظریہ باطل ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ندوۃ العلماء کے اصل بانی اور واقعی محرک مولانا ظہورالاسلام صاحب رح فتحپوری ہی ہیں۔

مولانا ظہورالاسلام صاحب کے محرک و بانیٔ ندوہ ہونے کا ایک اور واضح ثبوت ذیل میں رقم کیا جاتا ہے۔ مولانا کی حیات مقدسہ کے انیسویں صدی کے آخری دہے کے احوال و کوائف بتلاتے ہیں کہ مولانا کے ذہن میں ندوۃ العلماء کے قیام کا خیال کم از کم ۱۸۹۰ء میں آچکا تھا جبکہ آپ پہلے سفر حج میں تھے۔ مولانا کے شاگرد رشید حسن الدین خاموش اپنی کتاب "یادگار ظہور" میں مولانا کی زبانی رقم طراز ہیں:

> "جب میں حج بیت اللہ کو گیا ہوں حرم شریف کے اندر حاجی لوگ پکارتے ہوئے ملے کہ کوئی انگریزی داں ہے میں نے کہا یہ اجتماع ضدین کیسا جو حج کو آتے ہیں وہ انگریزی پڑھنا گناہ جانتے ہیں جو انگریزی خواں ہیں وہ حج کو ضروری نہیں جانتے۔ اس نے کہا کہ ترکی ڈاک خانہ چاہتا ہے کہ حاجی اپنے اپنے مقامات انگریزی میں لفافہ پر لکھ دیا کریں تاکہ منزل مقصود کو سید ھا خط جا سکے۔ میرا ماتھا وہیں ٹھنکا تھا کہ انگریزی نے خانہ خدا یا حرم کے اندر بھی قدم پہونچا دیئے اور وہاں سے آتے ہی میں نے انگریزی پڑھوانی شروع کرادی [۵۵]"

---

[۵۵] یادگار ظہور، حسن الدین خاموش، ص ۱۳ و ۱۴

(چنانچہ ۱۸۹۰ء میں مولانا نے اپنے مدرسہ کے اردو مڈل کو انگریزی مڈل میں بدل دیا)
اس طرح دینی و دنیاوی تعلیم کے جمع کا خیال جو ندوۃ العلماء کے مقاصد میں سے ایک اہم
مقصد ہے مولانا کے ذہن میں ۱۸۹۰ء میں آچکا تھا۔ اسی دوران ندوۃ العلماء کے
دوسرے اغراض و مقاصد بھی مولانا کے ذہن میں سر اٹھانے لگے۔ خاکے ہمیشہ اغراض
و مقاصد کے بطن سے پیدا ہوتے ہیں۔

یاد ایام میں مولوی عبدالرزاق کانپوری نے تاسیس ندوۃ العلماء کے تحت جو کچھ
لکھا ہے اس سے اس بات کا بخوبی علم ہوتا ہے کہ کم از کم دسمبر ۱۸۹۱ء میں ندوۃ العلماء
کا خاکہ مع رنگ و روغن مولانا کے ذہن میں اپنی ایک متعین شکل میں آچکا تھا اور مولانا
یہ بھی طے کر چکے تھے کہ ہندوستان کے کس شہر کو اس کی رزم گاہ بنانا ہے۔ نیز مولانا
نے اس خاکے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے جدوجہد بھی شروع کر دی تھی۔ مولوی عبدالرزاق
کانپوری کے یہ الفاظ کافی اہم ہیں:

"۔۔۔ ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء میں بمقام علیگڈھ کانفرنس کا اجلاس ہونیوالا
تھا چنانچہ دسمبر ۱۸۹۱ء میں مجھے فتحپور جانے کا اتفاق ہوا اور
جناب استاذی حکیم مولوی ظہور الاسلام صاحب سے علی گڈھ کا ذکر آیا
تو فرمایا کہ میں آج ہی صبح کو ڈپٹی عبدالغفور سے ایک اہم مسئلہ میں
گفتگو کر رہا تھا۔ بہتر ہوگا کہ اس معاملے ڈپٹی صاحب سے دوبارہ
گفتگو کی جائے اور تم بھی میرے ہمراہ چلو، چنانچہ بعد نماز عصر
ڈپٹی صاحب سے گفتگو ہوئی کہ مسلمانوں کی مذہبی اصلاح اور
قدیم مشرقی تعلیم (درس نظامیہ) کی اشاعت اور تحفظ اسلام
کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جائے اور مشاہیر علماء ہند کے مشورہ

سے بہ مقام کانپور یہ مذہبی انجمن قائم ہو۔ اگر فی الحال
کانفرنس اپنے سالانہ جلسوں کے ساتھ اس انجمن کا بھی
انعقاد کیا کرے تو مناسب ہوگا۔ لہٰذا ہونے والی کانفرنس
میں ایک رزولیشن اس مضمون کا پیش کرو۔ . . . . .

. . . .

. . . . اگر کامیابی ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ دوسری کارروائی
کی جائے گی[۱۶۰]

مولانا سید محمد علی کانپوری ندوۃ العلماء کے بانی اس لئے بھی نہیں کہے جا سکتے کیونکہ ان کے ذہن میں ندوہ کی تصویر سنہ ۱۳۱۰ھ میں ابھرنا شروع ہوئی تھی۔ مولانا محمد الحسنی صاحب مصنف سیرت مولانا محمد علی تحریر فرماتے ہیں کہ:

"سنہ ۱۳۱۰ھ میں جب ایک طرف ان کے ذہن میں ندوۃ العلماء کی تصویر ابھر رہی تھی اور اب اس خاکہ میں صرف رنگ بھرنا باقی تھا عین اسی زمانے میں سلوک و ارشاد، روحانی تربیت و اصلاح اور تزکیہ و احسان کے شعبہ میں انسانوں کی ایک بڑی تعداد ان سے فیضیاب ہو رہی تھی[۱۶۱] جبکہ سنہ ۱۳۰۹ھ میں مولانا حکیم سید ظہور الاسلام صاحب فتحپوری پورے رنگ و روغن کے ساتھ ندوۃ العلماء کے خاکہ کو نہ صرف یہ کہ اپنے ذہن میں متعین کر چکے تھے بلکہ اسکو ایک تجویز کی شکل میں بمقام علیگڈھ ۲۶ دسمبر سنہ ۱۸۹۱ء م ۱۳۰۹ھ میں رکھوا بھی چکے تھے ۔۔۔۔"

۱۶۰ یادایام: مولوی عبدالرزاق کانپوری، ص ۱۰۲ و ۱۰۳ ۱۶۱ سیرت محمد علی ص ۳۳۵

مذکورۃ السبق معروضات کی بنیاد پر یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ ندوۃ العلماء کے اصل محرک وبانی صرف اور صرف مولانا سید محمد ظہور الاسلام صاحب فتحپوری ہیں۔ بچہ پہلے پیدا ہوتا ہے اسکو نام بعد میں ملتا ہے اور اصلی نام کے ساتھ عرفی نام تو بڑھاپے تک ملتے رہتے ہیں اور یہاں تو نوزائیدہ "مذہبی انجمن" کو ایک سال کے اندر ہی (۱۸۹۲ء میں) انجمن ندوۃ العلماء کا نام مل گیا۔ جو دار العلوم ندوۃ العلماء کی شکل میں آج تک برقرار ہے اور دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔

باب سوم

ندوۃ العلماء کی مختصر تاریخ

از

سنہ ۱۸۹۱ء

تا

سنہ ۱۹۰۳ء

باب سوم

ندوۃ العلماء کی مختصر تاریخ سنہ ۱۳۰۹ھ م سنہ ۱۸۹۱ء

تا

سنہ ۱۳۲۱ھ م سنہ ۱۹۰۳ء

ابتدا سے مولانا سید محمد علی کانپوری ثم مونگیری کے استعفیٰ منظوری تک

پہلے اور دوسرے باب میں عرض کیا جا چکا ہے کہ ندوۃ العلماء کے محرک وبانی مولانا سید ظہور الاسلام صاحب فتحپوری ہیں۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں مسلمانوں کے انحطاط وزبوں حالی، علم وعمل کی طرف سے ان کی بے اعتنائی، اہل اسلام میں گروہ بندی ان کے باہمی اختلافات اور اس باہمی جنگ وجدال پر اغیار (نصاریٰ، آریہ سماج، برہمو سماج) کی تضحیک نیز علمائے دین کی باہمی مناقشت کو دیکھ کر مولانا کے ذہن میں مسلمانوں کو متفق ومتحد کرکے ان کو شیرازہ بنانے اور مسلمانوں کی ہمہ جہتی ترقی کیلئے ندوۃ العلماء

کی تشکیل کا خیال آیا۔ مولانا نے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کا اظہار اولاً فتحپور میں ۱۳۰۹ھ / ۹۱-۱۸۹۰ء میں کیا اور سنہ ۱۸۹۱ء ہی میں ندوۃ العلماء کا خاکہ اپنے اغراض و مقاصد اور اپنے صدر مقام کے تعین کے ساتھ مولانا کے ذہن میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ مولانا نے اس سلسلہ میں اپنے دیرینہ رفیق مولوی عبد الغفور ڈپٹی کلکٹر ساکن محلہ قضیانہ شہر فتحپور سے ان کے مکان موقوعہ محلہ قضیانہ فتحپور میں مشورہ کیا اور اپنے ایک شاگرد مولوی عبد الرزاق کانپوری کے ذریعہ علی گڑھ میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے دسمبر سنہ ۱۸۹۱ء کے آخر میں ہونے والے جلسہ میں رزولیشن رکھوایا کہ ایجوکیشنل کانفرنس اپنے سالانہ جلسوں میں ندوۃ العلماء (اس وقت مذہبی انجمن) کا بھی انعقاد کیا کرے۔ مولانا کے شاگرد رشید مولوی عبد الرزاق کانپوری نے مولانا کا محولا بالا رزولیشن ۲۶ر دسمبر سنہ ۱۸۹۱ء کی شب میں ایجوکیشنل کانفرنس کی اسٹینڈنگ کمیٹی (جلسہ مشاورت) میں رکھا۔ لیکن وہاں یہ رزولیشن اس بنا پر کہ وہ انگریزی تعلیم سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا بلکہ مذہب اور مشرقی تعلیم پر زور دیتا تھا نامنظور کر دیا گیا۔ اس طرح سرسید کی مخالفت اور کثرت رائے سے یہ رزولیشن خارج ہو گیا اور اسکو ۲۷ر دسمبر سنہ ۱۸۹۱ء کے جلسۂ عام میں پیش نہ کیا جا سکا۔

مولوی عبد الرزاق کانپوری نے علی گڑھ سے واپس آکر مولانا حکیم سید ظہور الاسلام صاحب رح فتحپوری کی خدمت میں ایجوکیشنل کانفرنس کے واقعات بالتفصیل پیش کئے، تو مولانا نے فرمایا :

"خیر کچھ مضائقہ نہیں اب دوسری کاروائی کی جائے گی"

چنانچہ مولانا نے دوسری کاروائی یہ کی کہ مولوی عبد الغفور صاحب ڈپٹی کلکٹر کے مکان موقوعہ کانپور (جہاں ان دونوں مولوی صاحب بہ حیثیت ڈپٹی کلکٹر تعینات تھے) جا کر ان سے از سر نو مشورہ کیا اور درس نظامی کے ان علماء و فضلاء پر مشتمل جو مدرسۂ دیوبند

اور مدرسۂ فیض عام کانپور سے تعلق رکھتے تھے ایک آٹھ رکنی مشاورتی کمیٹی تشکیل کی۔ اس مشاورتی کمیٹی کے ماہانہ جلسوں کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ یہ جلسے باقاعدگی کے ساتھ دو سال تک (ندوۃ العلماء کے پہلے اجلاس کے آغاز تک) ہوتے رہے۔ ۱۳۱۰ھ؍۱۸۹۲ء کے مدرسہ فیض عام کے جلسۂ دستار بندی کے موقع پر نامور علماء کی موجودگی میں تین تجویزیں پاس کی گئیں جن کی رُو سے اس مذہبی انجمن کا نام ندوۃ العلماء قرار پایا۔ اسکے ناظم اول مولانا محمد علی کانپوری قرار پائے اور ندوۃ العلماء کے پہلے اجلاس کے انعقاد اور اسکے تشہیر کی بات طے کی گئی۔ تیسری تجویز کے بموجب جب ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس ۱۵ لغایۃ ۱۷ شوال ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۲ لغایۃ ۲۴ اپریل ۱۸۹۴ء میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ انعقاد پذیر ہوا تو آٹھ رکنی مشاورتی کمیٹی تحلیل کر دی گئی اور اس کی جگہ ۱۶ اشخاص پر مشتمل ایک نئی مجلس انتظامیہ کا انتخاب عمل میں آیا اور مولانا سید محمد علی کانپوری دوبارہ ناظم ندوۃ العلماء منتخب ہو گئے۔ روداد جلسہ دستار بندی مدرسہ فیض عام کانپور بابت ۱۳۱۱ھ سے متعلقہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"اسکے بعد ندوۃ العلماء کے انتظامی جلسہ کے واسطے سولہ (۱۶) ممبروں کا انتخاب ہوا۔ اور علماء و دیگر اصحاب نے جلسہ ندوۃ العلماء کا رکن ہونا منظور کیا اور جناب مولوی سید محمد علی کانپوری ندوۃ العلماء کے ناظم منتخب ہوئے[۱]"

مولوی عبدالرزاق کانپوری نے ندوۃ العلماء کے اس پہلے اجلاس کا نقشہ جزئیات

---

[۱] روئداد جلسہ دستار بندی مدرسہ فیض عام کانپور مع کیفیت ندوۃ العلماء منعقدہ ۱۵، ۱۶، ۱۷ شوال ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۲، ۲۳، ۲۴ اپریل ۱۸۹۴ء ص ۱۰۶ مرتبہ الٰہی بخش مہتمم مدرسہ فیض عام کانپور مطبوعہ انتظامی پریس کانپور

کی تفصیل کے ساتھ کھینچا ہے۔ یہ نقشہ اتنا جاندار ہے کہ ایک سو سال سے زائد عرصہ کا منظر قاری کے سامنے ہو بہو آجاتا ہے۔ یہ جلسہ بڑی تزک و احتشام کے ساتھ ایک عظیم الشان پنڈال میں شاہ غلام رسول کی خانقاہ کے سامنے ایک طویل و عریض احاطے (موسومہ طلاق محل) میں منعقد ہوا۔ اس پنڈال کا انتظام حافظ الٰہی بخش شائق کے ذمہ تھا۔ موصوف کانپور کے ایک مشہور رئیس اور میونسپل کمشنر تھے۔ پنجابی تاجروں میں موصوف اپنی سلیقہ شعاری مزاج کی نفاست اور جدت طرازی کیلئے مشہور تھے اور اس میں انفرادی مہارت رکھتے تھے۔ اس پنڈال میں دو ہزار افراد کی گنجائش تھی۔ وہ ہال جس میں فیض عام کا یہ جلسہ منعقد ہوا۔ ایک سو ساٹھ (۱۶۰) فٹ لمبا، ایکسو دس (۱۱۰) فٹ چوڑا اور اٹھائیس (۲۸) فٹ اونچا تھا۔ صدر میں ایک وسیع الشان چبوترہ تھا جو چالیس ۴۰ فٹ لمبا، پچیس ۲۵ فٹ چوڑا اور تین فٹ بلند بنایا گیا تھا۔ ؎۲

۲۲ اپریل ۱۸۹۴ء کو صبح ۷ بجے مدرسہ فیض عام کا جلسۂ دستار بندی شروع ہوا۔ تحریک صدارت مولوی عبداللہ صاحب ناظم دینیات محمڈن کالج علیگڈھ نے کی۔ تائید ثانی شاہ محمد حسین الہ آبادی نے کی۔ تائیدی تقریر میں یہ الفاظ شامل تھے:

> "... مولانا محمد لطف اللہ صاحب کو چونکہ خداوند تعالیٰ نے بہ سبب عمر و علم کے بزرگی بخشی ہے اور ان کے نام سے خود لطف اللہ مترشح ہے۔ لہذا ہمارے واسطے ایسے بزرگ کا میر مجلس ہونا باعث خیر و برکت اور لطف اللہ ہوگا ؎۳"

؎۲ ماخوذ از روئداد جلسۂ دستار بندی مدرسہ فیض عام کانپور مع کیفیت ندوۃ العلماء منعقدہ ۱۵، ۱۶، ۱۷ شوال ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۲، ۲۳، ۲۴ اپریل ۱۸۹۴ء مرتبہ الٰہی بخش مطبوعہ نظامی پریس کانپور۔

؎۳ استاد العلماء از مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی ص ۲۴

مولوی شبلی صاحب بھی مؤیدین میں تھے۔ اس موقع پر جو مقالہ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے پیش کیا اس میں مفتی عنایت احمد صاحب، مولوی لطف اللہ صاحب اور مولوی احمد حسن صاحب کی بڑے شاندار الفاظ میں مدح و ثنا تھی ــــ مولانا موصوف (مولانا لطف اللہ) نے ۳۴ فارغ التحصیل طلبار کے سروں پر اپنے دست مبارک سے دستار باندھی جس پر " ادع الی سبیل ربك بالحکمۃ والموعظۃ " لکھا ہوا تھا۔ شیخ احمد مکی نے عربی لہجہ میں سند پڑھکر سنائی اور اسکے ساتھ جلسہ دستاربندی اختتام پذیر ہوا۔[۴]

اس جلسہ کی عظمت و جلالت مثالی تھی۔ بڑے بڑے معمر لوگوں کا اس جلسہ کی بابت یہ نظریہ تھا:

" ایسا جلسہ جس میں اسقدر کثیر آدمی اس سلیقہ کے ساتھ بیٹھے ہوں اور اس قدر علمار کی پاک صورتیں جن کے منور چہروں سے تمام ہال روشن اور ایک جگہ رونق افروز ہونے سے اسلامی شوکت اور اسلامی دبدبہ ظاہر ہو ہندوستان میں پہلی مثال ہے[۵] ـــــــــــــــــــ "

۲۲ اپریل ۱۸۹۴ء کو ۳ ½ بجے سہ پہر میں ندوۃ العلمار کے پہلے تاریخی اجلاس کا آغاز ہوا۔ اس جلسہ میں مختلف نظریات کے حامل علمار و اشخاص جمع تھے۔ لیکن اسکے باوجود یہ جلسہ اتحاد و یگانگت کے ماحول میں اختتام پذیر ہوا۔ مولانا عبد الرزاق کانپوری کے لفظوں میں:

" یہ پہلا موقع تھا کہ علمار کے دوش بدوش مولوی بشیر الدین ایڈیٹر نجم الاخبار اٹاوہ بھی شریک کارروائی ہوئے۔[۶]

[۴] سیرت مولانا محمد علی ص ۱۲۶ [۵] جلسۂ دستاربندی فیض عام کانپور ص ۱۳ بحوالہ سیرت محمد علی ص ۱۳۰۔
[۶] یاد ایام ص ۱۰۶۔

اس اجلاس کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں علمائے احناف کے علاوہ اہلِ حدیث اور بعض مجتہدین شیعہ بھی شریک تھے۔ اس قبیل کے چند اہم نام ملاحظہ ہوں۔ مولوی ابراہیم آروی، مولوی محمد حسین بٹالوی، مولوی غلام حسنین کنتوری۔ اس جلسہ میں اغراض ومقاصد ندوہ پر بسیط تقریریں ہوئیں اور مسلسل تین روز میں دستور العمل پاس ہوا۔ منظر کی دلکشی و دیدہ زیبی کا نقشہ مولانا شروانی نے اس طرح کھینچا ہے:

> "شوال ۱۳۱۱ھ میں پہلا اجلاس ہوا۔ یہ اجلاس اپنی شان اور اجتماع میں خود اپنی نظیر تھا۔ ایک شان یہ بھی تھی کہ ہر فرقے کے صنادید علماء شریک جلسہ تھے۔ علماء حنفی کے علاوہ اہلِ حدیث میں سے مولوی ابراہیم آروی، مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی، شیعہ مجتہدین میں مولوی غلام حسنین صاحب کنتوری شریک جلسہ تھے۔"[۵]

اس جلسہ میں مولانا عبد الحق حقانی کو دستور العمل پیش کرنا تھا لیکن چونکہ وہ وقت مقررہ پر تشریف نہ لا سکے تھے اس لئے یہ کام مولانا شبلی نے انجام دیا اور یہ طے پایا کہ اس دستور العمل پر پوری طرح غور وفکر کرنے کے لئے ایک مخصوص جلسہ رکھا جائے اور جب یہ وہاں سے صاد ہو جائے تب جلسۂ عام میں منظوری کیلئے پیش کیا جائے۔ چنانچہ ۱۶ شوال کو ۹ بجے صبح ہونے والی اس نشست میں جس کی صدارت سید محمد شاہ محدث رامپوری نے کی تھی۔ دستور العمل پیش کیا گیا۔ اس میں تین تجویزیں ندوۃ العلماء سے متعلق تھیں جو حسب ذیل ہیں۔ چوتھی تجویز مدرسہ فیض عام سے متعلق تھی۔

(۱) موجودہ طریقۂ تعلیم قابلِ اصلاح ہے

۵؎ استاد العلماء ص ۲۴۲

(۲) مدارس عربیہ کے مہتمم حضرات ندوۃ العلماء کے سالانہ جلسوں میں شرکت کیا کریں۔

(۳) تمام مدارس اسلامیہ کو ایک مضبوط سلسلہ میں منسلک کیا جائے۔

اس نشست میں موجود تمام علماء نے اصلاح نصاب کی ضرورت تسلیم کی۔ عملی کاروائی میں سب سے نمایاں حصہ مولانا شبلی کا تھا۔ قدیم نصاب کی غلطیوں پر زوردار بحثیں ہوئیں بالآخر اصلاح نصاب کی تجویز کے خلاف صرف ایک آواز رہ گئی اور اسطرح یہ تجویز بھی کثرت رائے سے پاس ہوگئی۔ اس سلسلہ میں سب سے دقیع تقریر شاہ محمد حسین الہ آبادی کی تھی۔ یہ تقریر ۷۵ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ میں جس کا نام "التنظیم انتظام التعلیم التعلیم" ہے مشتمول ہے۔ مولانا عبدالحق حقانی نے ندوہ کے فوائد و مقاصد پر ایک گرانمایہ تقریر کی جو کافی دلکش و پراثر تھی۔ شاہ سلیمان پھلواری اور مولوی ابراہیم آروی کی تقریریں بھی کافی موثر اور دلکش تھیں۔ لیکن بقول مولانا محمد الحسنی غلام حسنین کنتوری کی تقریر کچھ زیادہ پسند نہیں کی گئی۔ اس جلسہ میں متعدد ہندو وکلاء بھی شریک تھے۔ مولانا محمد ابراہیم کی تقریر معراج و پل صراط کے موضوع پر تھی جسکو سنکر پنڈت پرتھی ناتھ کشمیری وکیل نے صدر جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

> مولانا ابراہیم جیسے چند علماء اگر ہندوستان میں اشاعت
> اسلام کے لئے دورہ کریں تو پھر ہندوستان میں ایک
> ہندو بھی باقی نہ رہے اور سب مشرف بہ اسلام ہو جائیں گے۔"[ف]

اس جلسہ میں ایک بارہ رکنی نصاب کمیٹی کی تشکیل کی گئی جس کا دائرہ کار نصاب تعلیم پر غور کر کے اپنی سفارشات پیش کرنا تھا۔ اس نصاب کمیٹی کے اراکین کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

[ف] یاد ایام ص ۱۰۷

(۱) استاد العلماء مولانا لطف اللہ علی گڑھی۔

(۲) مولانا عبدالخالق حقانی۔

(۳) مولانا محمد حسین الہ آبادی۔

(۴) مولانا محمد ظہور الاسلام فتحپوری۔

(۵) مولانا ابراہیم آروی۔

(۶) مولانا احمد رضا خاں بریلوی۔

(۷) مولانا شاہ سلیمان پھلواری۔

(۸) مولانا شبلی نعمانی۔

(۹) مولانا محمد علی۔

(۱۰) مولانا عبدالغنی۔

(۱۱) مولانا محمد حسین بٹالوی۔

(۱۲) مولانا عبداللہ انصاری[۹]

اس کمیٹی کے اراکین کو یہ بھی ہدایت کی گئی تھی کہ وہ دیگر علماء کرام خصوصاً مولانا رشید احمد گنگوہی سے رابطہ قائم رکھیں اور اس طرح صلاح ومشورہ کے بعد نیا نصاب تجویز کریں۔ جن لوگوں نے نصاب تعلیم کی تائید کی ان میں مولوی حافظ نیاز احمد ہیڈ ماسٹر اسکول فتحپور (گورنمنٹ ہائی اسکول فتحپور) بھی شامل تھے[۱۰]

مولانا محمد علی کانپوری ثم مونگیری کو اس سے قبل مدرسہ فیض عام کے جلسہ منعقدہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں ندوۃ العلماء کا ناظم بنایا جا چکا تھا۔ اس جلسہ میں اسکی توثیق کی گئی۔ اس جلسہ میں پڑھے گئے مقالوں میں مولانا شروانی کا نصاب تعلیم سے متعلق مقالہ

---

۹ تاریخ ندوۃ العلماء حصہ اول ص ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰ سیرت مولانا محمد علی ص ۱۳۱

کافی اچھا تھا۔ یہ مقالہ جس جلسہ میں پڑھ کر سنایا گیا اس میں ۶۰، ۷۰ ممتاز علماء تھے۔[10]
اس جلسہ میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن[11] صاحب اپنی تدریسی مصروفیات کے باعث شریک نہ ہو سکے اور انھوں نے معذرت کا خط ارسال کیا۔ مولانا حالی[12] بھی شریک نہ ہو سکے تھے لیکن انھوں نے اپنی تقریر لکھ کر بھیج دی تھی۔

اس میں تاریخ جغرافیہ کے شمول اور تبدیلی نصاب کی اہمیت و ضرورت پر زور دیتے ہوئے عربی ادب کی طرف خصوصی توجہ کی سفارش کی گئی تھی۔ مولانا احمد رضا خاں[13] کا مقالہ وقت کی تنگی کے باعث نہ پڑھا جا سکا لیکن فیض عام کی روداد میں شامل کر کے شائع کر دیا گیا۔ اختتام جلسہ کے موقع پر مولانا شبلی نے حاضرین جلسہ اور علماء کرام کا شکریہ ادا کیا اور اس طرح ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ مولوی عبد الرزاق کانپوری نے اس جلسہ کے کامیابی پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> "باوجود اجتماع مختلف الخیال علماء کے کسی مسئلہ میں نوبت مناظرہ کی نہ آئی اور یہ ایک بڑی کامیابی تھی۔ یہ اجلاس کثرت علماء کی وجہ سے از حد شاندار تھا اور اس پر یہ مثل صادق آئی تھی کہ "ایک بار دیکھا ہے اور دوبارہ دیکھنے کی ہوس ہے"۔[14]

---

[10] سیرت مولانا محمد علی ص ۱۲۱۔

[11] ولادت بریلی ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء وفات دلی شنبہ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء مدفن دیوبند (تذکرہ ماہ و سال ص ۸ ۴۸ ۳۔

[12] پیدائش ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء پانی پت وفات ۱۲ صفر ۱۳۳۳ھ مطابق یکم جنوری ۱۹۱۵ء پانی پت تذکرہ ماہ و سال ص ۱۲۵۔

[13] تاریخ پیدائش ۱۴ جون ۱۸۵۶ء تاریخ وفات ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء (تذکرہ ماہ و سال ص ۹)

[14] یاد ایام ص ۱۰۷۔

اس اجلاس کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا محمد الحسنی صاحب نے لکھا ہے:

کہ ـــــ شکریہ کی رسمی کارروائی پر ندوۃ العلماء کا یہ تاریخی اجلاس ختم ہوا۔ لیکن اسکے ساتھ اُس تحریک کا آغاز ہوا جس نے پورے ملک کی نگاہیں اس انجمن پر مرکوز کر دیں اور جس نے مسلمانوں کو تعلیمی، اجتماعی اور فکری میدان میں ایک نیا تحفہ عطا کیا اور ان کو ماحول کی اس گھپ آلود رات میں امید کی ایک کرن نظر آئی[۱۵] ــــــ"

ندوۃ العلماء کے تعارف کیلئے جن علماء نے کافی تگ و دو کی ان میں مولانا عبد الحق حقانی، مولانا شاہ سلیمان پھلواری، مولانا حکیم ظہور الاسلام فتحپوری۔ مولانا فتح محمد تائب لکھنوی، اور مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی کے نام لائق ذکر ہیں۔[۱۶]

ندوۃ العلماء کا دوسرا اجلاس۔

یہ اجلاس لکھنؤ میں ہوا۔ اس اجلاس کی کامرانی منشی اطہر علی صاحب وکیل اور رئیس احمد کاکوروی کی مخلص کوششوں کا ثمرہ تھی۔ وکیل موصوف کی تقریر کا موضوع "فرائض علماء" تھا اس موضوع پر ان کی یہ تقریر کافی طویل ہونے کے باوجود خاصی دلکش تھی اس تقریر کی تائید میں مولانا شبلی کی تقریر بھی کافی وزنی اور جاندار تھی۔ اس جلسہ کی دوسری اہمیت یہ ہے کہ اس میں مجوزہ دار العلوم کے قواعد پاس کئے گئے اور یہ بھی طے کیا گیا کہ مروجہ نصاب میں علوم جدیدہ کی ضرورت ہے۔ مولوی عبد الرزاق کانپوری اس جلسہ میں بھی شریک تھے۔ اس اجلاس میں جب چندہ کی تحریک چلائی گئی تو شرکاء فتحپور نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

---

۱۵ سیرت مولانا محمد علی ص ۱۳۱ ۱۶ ایضاً ص ۱۳۲

ذیل میں ان فتحپوریوں کے رقم کئے جاتے ہیں جن کے نام روئداد ندوۃ العلماء میں چندہ دہندگان کی فہرست میں مشمول ہیں :

(۱) مولوی حکیم سید ابوطیب مقیم شاہ پور ضلع فتحپور (۲) مولوی ابوالقاسم (۳) مولانا حبیب الدین مدرس مدرسہ اسلامیہ (۴) مولانا ظہور الاسلام (۵) مولوی عزیز الدین نائب تحصیلدار کھاگا (۶) مولوی محمد رضا مہتمم مدرسہ اسلامیہ (۷) مولانا نور محمد صاحب (۸) احسن الزماں مختار (۹) سید احسن علی وکیل (۱۰) میر ابوالحسن رئیس ایرایاں (۱۱) منشی احمد حسن سابق تحصیلدار (۱۳) حافظ اسد علی (۱۴) منشی بشارت حسین شاہ پور (۱۵) منشی سید بدر الحسن ایرایاں (۱۶) بابو برکت علی اوورسیر الجنیری دفتر فتحپور (۱۷) تجمل حسین خاں رئیس مسی (۱۸) منشی تفضل حسین رئیس مسی (۱۹) منشی رضا علی مختار (۲۰) شیخ ریاض احمد ایرایاں (۲۱) منشی زبردست خاں مسی (۲۲) حافظ زاہد علی محلہ مہاجری (۲۳) محمد سرور علی شاہ پور (۲۴) چودھری سید عالم ایرایاں (۲۵) منشی سراج الحسن خاں وکیل (۲۶) منشی عبدالوہاب وکیل ورئیس (۲۷) منشی عماد الحسن وکیل (۲۸) علی مردان خاں مسی (۲۹) منشی میر محمد عارف (۳۰) عبدالجمیل صاحب (۳۱) منشی عنایت حسین شاہ پور (۳۲) حافظ علی شیر خانصاحب (۳۳) منشی عبدالغنی ڈاکٹر صدر اسپتال (۳۴) سید شاہ عبدالہادی محلہ قضیانہ (۳۵) محمد غلام قادر خاں صاحب (۳۶) غلام معین الدین عرف لالہ راج بہادر رئیس (۳۷) منشی قائم الحق وکیل (۳۸) شیخ محمد قیام الدین (۳۹)

کاظم حسین پیشکار سپرنٹنڈنٹ پولیس (۴۰) شیخ محمد شفیع نمبردار
پھپھولیہا (۴۱) مدح خانصاحب محرر سراج الحسن وکیل (۴۲)
محی الدین صاحب خلف سعد الدین (۴۳) حاجی محمد شفیع رئیس
ایرایاں (۴۴) محمد مصطفےٰ خاں صاحب رئیس (۴۵) منشی
نبی بخش سب انسپکٹر (۴۶) حافظ منشی اظہار عالم رئیس
فتحپور (۴۷) شیخ عبدالشکور (۴۸) نعیم الدین (۴۹) محمد حسین
خاں جہاں آباد۔"

یہ اجلاس قیصر باغ کی بارہ دری میں ہوا۔ بارہ دری میں دوسرے ضروری انتظامات کے علاوہ ایک دارالمطالعہ بھی قائم کیا گیا تھا۔ مہمانوں کے علاج ومعالجہ کی فوری سہولتیں فراہم کرنے کی غرض سے حکیموں اور ڈاکٹروں کی ایک جماعت بھی تعینات کی گئی تھی۔ مولانا محمد الحسنی صاحب کے نفظوں میں:

"قیصر باغ کی بارہ دری جو کسی زمانے میں عیش وعشرت کا گہوارہ رہی ہوگی آج علمائے اسلام کے روح پرور اجتماع کی وجہ سے اپنی قسمت پر نازاں تھی حسن وصورت سے حسن معنیٰ کی آمیزش نے منظر کی دلفریبی اور لطافت کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا تھا[۱۷]"

۱۶ر شوال ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۲ ر اپریل ۱۸۹۵ء کو ۶ بجے صبح پہلے اجلاس کا آغاز مولانا سید محمد شاہ محدث رامپوری کی زیر صدارت مولانا عبد المجید فرنگی محل کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ مولانا محمد علی اپنے ضعف وعلالت کے باعث سال گذشتہ کی طرح اس سال

---

[۱۷] سیرت مولانا محمد علی ص ۱۳۷

بھی رپورٹ پیش نہ کر سکے[18]

مولانا شبلی نے یہ رپورٹ بہ اجازت صدر پڑھ کر سنائی۔ اس رپورٹ کا اصلاح نصاب سے متعلق حصہ قابل رقم ہے۔ رپورٹ کا یہ اقتباس سیرت محمد علی سے ذیل میں رقم کیا جاتا ہے:

"___ اصلاح نصاب کے متعلق جو تجویز گذشتہ جلسہ میں منظور ہوئی تھی اسکے متعلق رائیں ابھی نہیں آسکی ہیں، ہاں ہمارے دوست مولانا محمد حسین الہ آبادی اور مولوی عبد العلی مدراسی نے بہت تفصیل کے ساتھ اس میں رائے دی ہے حقیقت یہ ہے کہ جو نصاب دو سو برسوں سے معمول رہا اسکی ترمیم و اصلاح ایک برس کا کام نہیں، تاہم اس امر کے بیان کرنے میں مجھ کو نہایت خوشی ہے کہ اس تحریک سے اکثر علماء ہندوستان کا خیال اصلاح نصاب کی طرف مائل ہو گیا ہے اور اس امر کو کہ نصاب موجودہ میں فن ادب اور تفسیر کے متعلق نہایت کمی ہے اور جدید علم کلام کی نہایت ضرورت ہے۔ اکثر تسلیم کرتے جاتے ہیں[19] ___"

اس رپورٹ کے بعد لکھنؤ کے ایک متبحر اور صاحب تصنیف عالم مولانا ولی اللہ لکھنوی نے اپنا پرمغز مقالہ پیش کیا۔

دوسری نشست میں مولانا سلیمان پھلواری کی تقریر کافی پراثر تھی۔ اس اجلاس کی تیسری نشست میں مولانا محمد علی نے ندوۃ العلماء کی طرف سے ایک محکمۂ افتاء کے قیام کی

---

[18] سیرت مولانا محمد علی ص ۱۲۷ [19] ایضاً ص ۱۲۷، ۱۲۸

تجویز رکھی ۔ مولانا عبدالحق حقانی اور مولانا سلیمان پھلواری نے اس تجویز کی تائید میں مختصر تقریریں کیں لیکن دیگر حضرات کے اختلاف کی بنا پر یہ تجویز فی الفور پاس نہ ہوسکی ۔ بلکہ خصوصی اجلاس کیلئے ملتوی کردی گئی ۔[۲۰]

اس تجویز کے بعد مولانا عبدالحق حقانی نے تقریر کی اور مولانا شروانی نے اپنا پر مغز مقالہ پڑھا ۔ اس جلسہ میں ایک عربی قصیدہ پڑھا گیا اور ابوالقاسم عرشی نے ایرانی لب ولہجہ میں اپنی فارسی مثنوی پیش کی جس سے سامعین کافی محظوظ ہوئے ۔ ۷ ار شوال کی چوتھی نشست میں یہ بات طے ہوئی کہ نصاب تعلیم کیلئے مخصوص کمیٹی بنادی جائے ۔ بعد نماز مغرب ایک خصوصی جلسہ ہوا اور اس میں یہ پاس ہوا کہ موجودہ نصاب تعلیم میں مزید علوم کے اضافہ کی ضرورت ہے رجال واحوال تفسیر اور تاریخ وجغرافیہ کو متعین کردیا گیا اور یہ بھی طے ہوا کہ یہ سبھی علوم بہ زبان عربی پڑھائے جائیں اور مدت تحصیل دس سال مقرر کی گئی ہے ۔

پانچویں نشست کی ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس میں مولانا شاہ امانت اللہ فصیحی غازیپوری اور مولانا ابراہیم آروی نے (جن کے مابین ایک طویل عرصہ سے ایک نزاع چلا آرہا تھا) ملکر یہ اعلان کیا کہ آج ہم دونوں فریقوں میں اتحاد ہوگیا ۔ اب دو فریق کہنا بھی ٹھیک نہیں ، کہ اب تو ہم دونوں ایک ہی ہوگئے ۔ ہم دونوں ملکر قوم کی حالت پر آج بہت روئے اور یہ قرار پایا کہ ہم اپنے معاملات ندوہ کے سپرد کردینگے ۔[۲۱]

اس اجلاس کا اختتام عزیز لکھنوی کے فارسی قصیدہ پر ہوا جسکو شاہ سلیمان صاحب نے پڑھ کر سنایا ۔ اس اجلاس میں ۴۳ افراد پر مشتمل ایک نئی مجلس انتظامیہ کی تشکیل ہوئی اور ترمیم شدہ دستورالعمل منظور کیا گیا ۔ فرنگی محل کے مولانا شاہ محمد عبدالوہاب خلف الرشید مولانا شاہ عبدالرزاق نے جلسہ میں شریک تمام علماء کی دعوت کی اور کھانے کا انتظام اس جگہ کیا جہاں ملا نظام الدین نشست کیا کرتے تھے اور دوسرے وقت کی دعوت کا انتظام . . . .

---

۲۰ سیرت مولانا محمد علی ص ۱۲۹ ۔ ۲۱ روداد سال دوم ص ۹۰

مولانا شاہ محمد نعیم صاحب نے کیا۔ انہوں نے یہ عام اعلان کیا کہ علماء کے ساتھ جتنے بھی حضرات ہوں وہ سب اس دعوت میں مدعو ہیں۔

مولانا محمد علی کانپوری اپنی علالت و کام کی زیادتی کے پیش نظر ۸ ررجب ۱۳۱۳ھ مطابق ۲۵ ردسمبر ۱۸۹۵ء بروز چہارشنبہ انجمن ندوۃ العلماء کے جلسہ انتظامیہ میں استعفیٰ پیش کرنا چاہا لیکن صدر انجمن مولانا لطف اللہ صاحب نے اسکو نامنظور کر دیا۔ اور مددگار ناظم کی تجویز رکھی۔ مولانا شاہ سلیمان پھلواروی کا انتخاب عمل میں آیا لیکن انہوں نے اس عہدہ کو قبول کرنے سے معذرت کر دی تب مولانا ظہور الاسلام صاحب نے حکیم عبدالحئی صاحب کا نام پیش کیا جسکو مولانا عبدالحئی صاحب نے بلامعاوضہ قبول کیا اور جلسہ نے اتفاق رائے سے یہ پاس کیا کہ مولانا محمد علی بدستور ناظم رہیں گے اور مولانا عبدالحئی مددگار ناظم کی حیثیت سے کام کریں گے۔[۲۲]

۲۵ ررجب ۱۳۱۳ھ کو دفتر ندوۃ العلماء کانپور سے ایک وفد مولانا محمد علی کانپوری کی قیادت میں فتحپور ہسوہ اور رائے بریلی کے دورہ پر روانہ ہوا۔ وفد نے وہاں پہونچکر مدارس کی حالت دیکھی۔ لوگوں کو نزاع باہمی کی برائیوں سے آگاہ کیا اور اتحاد و یگانگت کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالی جس کا اہلِ فتحپور پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ ان دنوں مدرسہ اسلامیہ فتحپور مالی بحران کا شکار تھا۔ وفد کی آمد سے اسکو کافی فائدہ پہونچا۔ طلباء کے کمروں کیلئے اکثر شرکا جلسہ نے اپنی ایک دن کی آمدنی چندے میں دی۔ بعض حضرات نے ایک ایک کمرے کی تعمیر کی ذمہ داری لی۔ ایک رئیس نے ۲۵ بیگھ ایک صاحب نے چھ بیگھ اور ایک دوسرے صاحب نے ۲۵ روپے سالانہ لگان کی آراضی وقف کی۔ اس مثالی چندہ کے بعد اسیوقت اور سیر کو عمارت کا نقشہ تیار کرنے کی

۲۲ھ حیات عبدالحئی: مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی ص ۱۳۶ مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ مطابق نومبر ۱۹۷۰ء۔

ہدایت کی گئی۔ بیجا رسوم ورواج کے خلاف ایک عہد نامہ ترتیب دیا گیا جو اتفاق رائے سے منظور کیا گیا ہے۔ مولانا محمد علی کانپوری کو مولوی ظہور الاسلام صاحب کے دیرینہ رفیق ہونے کے ناطے اس مدرسہ کی بڑی فکر تھی۔ موصوف ایک موقع پر مدرسہ اسلامیہ کے معائنہ کے لئے تشریف لائے تھے اسوقت طلبار کے لئے چند کمرے بن چکے تھے اور تعمیری کام جاری تھا[۲۳]

تیسرا اجلاس۔

ندوۃ العلمار کا تیسرا سالانہ اجلاس ۲۶ شوال ۱۳۱۳ھ لغایۃ ۲۸ شوال ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۱ اپریل لغایۃ ۱۳ اپریل ۱۸۹۶ء کو بریلی میں منعقد ہوا۔ بریلی میں اس وقت مخالفین کا ایک خاصہ طبقہ موجود تھا لیکن مخالفت کی ہوا اسوقت تک اتنی تیز نہیں ہوئی تھی کہ اجلاس کے انعقاد میں پریشانی ہوتی۔ مہمانوں کے قیام کیلئے شہر کے سر برآودہ لوگ اور رؤسار نے اپنے اپنے مکانات پیش کر دیئے۔ ان مخلصین و معاونین میں پنڈت ہبت رام سی۔ اس۔ آئی کا نام قابل ذکر ہے۔ اس اجلاس کی صدارت مفتی لطف اللہ صاحب نے کی۔ جلسہ کے آغاز میں مولانا عبدالحق حقانی نے اغراض و مقاصد ندوہ پر ایک پر اثر تقریر کی اور مولانا عبدالوہاب بہاری نے اپنا ایک عربی قصیدہ پیش کیا۔ ناظم ندوہ کی علالت کے باعث اس سال بھی گذشتہ سال کی کارروائی مولانا سید عبدالحیٔ نے پڑھ کر سنائی۔ مولانا شروانی کی تقریر بھی کافی جاندار تھی۔ موصوف نے اپنی تقریر میں ناظم ندوہ کا اس بات پر شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اپنی ذاتی مصلحتوں کو نظر انداز کر کے اپنا وظیفہ بھی ندوۃ العلمار کو عطا کر دیا۔ مولانا شبلی کی تقریر کافی مختصر اور موثر تھی۔ اسی اجلاس میں تین بجے دن میں ایک جلسہ خاص

---

۲۳ سیرت محمد علی ص ۱۶۳، ۱۶۴

منعقد ہوا جس میں مولانا کا مرتب کردہ دستور العمل منظوری کے لئے پیش کیا گیا جو اتفاق رائے سے منظور کر لیا گیا۔ مولانا حکیم سید ظہور الاسلام صاحب فتحپوری اس اجلاس میں حج کے لئے روانگی کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔

اس اجلاس کی روئداد میں مختلف سپاس نامے منقول ہیں۔ ان سپاسناموں میں وہ سپاس نامہ بھی شامل ہے جو مسلمانان فتحپور ہسوہ کی جانب سے پیش کیا گیا تھا۔ اس سپاسنامے میں حسب ذیل حضرات کے اسمار گرامی مندرج ہیں:

محمد رضا مہتمم مدرسۂ اسلامیہ فتحپور ممبر انجمن۔ محمد عماد الحسن۔ محمد احسن الزماں عبد الغنی سوداگر۔ غلام معین الدین۔ محمد قیام الدین۔ میر احسن علی۔ محمد عبد الواحد شاد علی۔ محمد قائم الحق۔ محمد رضا علی مختار عدالت۔ محمد نصیر اللہ صدر واصل باقی نویس۔ محمد عبد الوہاب۔ سید خیرات علی۔ عبد الصمد خاں۔ فخر الدین پیشکار غلام قادر خاں۔ سراج الحسن خاں وکیل۔ محمد عنایت حسین وکیل۔ بابو میر برکت علی اورسیر۔ سید محمد عبد الہادی۔ سکندر علی۔ حاجی محمد حسین انسپکٹر پنشن یافتہ۔ عبد القدوس خاں۔ مدح خاں۔ سعید الدین وکیل۔ ظہور الحسن۔ حاجی اللہ بخش خاں۔ تصدق حسین خاں۔ احمد حسین خاں۔ رؤف الدین۔

اسکے بعد ندوۃ العلمار کا چوتھا اجلاس میرٹھ میں ہوا۔ اسی اجلاس میں یہ تجویز رکھی گئی کہ دار العلوم دہلی میں قائم کیا جائے اور اگر وہاں ممکن نہ ہو تو لاہور میں اس کا قیام ہو۔ مولانا محمد علی کانپوری اور مولانا عبد الحئی اسی تجویز کے حق میں تھے لیکن مولانا شاہ سلیمان صاحب نے کہا کہ دہلی ہمیشہ سے فتنہ و فساد کا گھر رہا ہے ایسی جگہ دار العلوم قائم کرنا مناسب نہیں۔ بعد میں مولانا محمد علی نے دہلی کیلئے زور نہ دیا بلکہ کہا کہ دار العلوم کیلئے اسیوقت کوئی مقام طے کر لیا جائے خواہ وہ دہلی ہو یا لکھنؤ، بالآخر کثرت رائے سے یہ طے کیا گیا کہ دار العلوم لکھنؤ

میں ضم کیا جائے۔

منشی احتشام علی کاکوری نے گولہ گنج میں نو ہزار روپیہ کی مالیت کا ایک مکان خرید کر ندوۃ العلماء کے حوالہ کیا اور اس طرح ۱۵ ربیع الثانی مطابق ۲ ستمبر ۱۸۹۸ء کو ندوہ کا دفتر کانپور سے لکھنؤ منتقل ہو گیا۔

درجہ ابتدائی کا آغاز

۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۶ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۸۹۸ء کو درجہ ابتدائی کھولا گیا اور یہ طے پایا کہ اس کا افتتاحی جشن منایا جائے۔ چنانچہ اسی نئے مکان (خاتون منزل) میں ایک شاندار جلسہ ہوا جس میں ممتاز علماء اور سربرآوردہ طبقے کی خاصی تعداد نے شرکت کی۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا عین القضاۃ۔ مولانا محمد نعیم فرنگی محلی۔ مولانا فتح محمد تائبؔ لکھنوی حکیم عبدالعزیز، حکیم عبدالولی، محمد نسیم صاحب وکیل ہائی کورٹ، خان بہادر ڈاکٹر عبدالرحیم شیخ اصغر علی تاجر عطر لکھنؤ کے علاوہ شہر کے ممتاز حضرات اس جلسہ میں شریک تھے۔ اس جلسہ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ ندوہ کے اجلاس میں انگریز شامل ہوئے تھے۔ واضح ہو کہ مسٹر ہارڈی کمشنر اور مسٹر گری انگریز حکام اس اجلاس میں موجود تھے۔

انگریزی سکنڈ لینگوئج۔

شوال ۱۳۱۹ھ مطابق فروری ۱۹۰۲ء میں چوتھا درجہ کھولا گیا اور سکنڈ لینگوئج کی حیثیت سے انگریزی کا ایک کلاس شروع کیا گیا جس کیلئے انگریزی کے ایک مدرس کا تقرر بھی عمل میں آیا ہے۔

مولانا محمد علی کانپوری ثم مونگیری کا استعفیٰ۔

۱۳۲۰ھ کے اواخر میں مولانا نے کانپور چھوڑ دیا اور مونگیر میں اقامت اختیار کر لی۔ آپ نے مونگیر میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے بعد اپنا استعفیٰ اخبارات میں شائع کرا دیا۔ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹ جولائی ۱۹۰۲ء کے جلسہ انتظامیہ میں مولانا سید عبدالحئی صاحب نے مولانا سید محمد علی کا استعفیٰ پیش کیا اور مجلس نے بالآخر مجبور ہو کر ان کا استعفیٰ منظور کر لیا۔

ضمیمہ نمبرا

ندوۃ العلماء کی آٹھ رکنی مشاورتی کمیٹی کا مختصر تعارف

نوٹ

انجمن ندوۃ العلماء کی آٹھ رکنی مشاورتی کمیٹی کے ارکان کے تعارف میں مولوی عبدالرزاق کانپوری کی یاد ایام میں قائم کردہ ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

مولانا سید محمد علی کانپوری: (ناظم اول ندوۃ العلماء)

مولانا کی پیدائش ۳ر شعبان ۱۲۶۲ھ مطابق ۲۸ رجولائی ۱۸۴۶ء کو بمقام کانپور ہوئی۔ آپ نے اپنی زندگی کا دوتہائی حصہ کانپور میں گذارا۔ بعض معاصرین کی نکتہ چینیوں کی بنا پر ۱۳۲۰ھ میں کانپور کو خیر باد کہہ کر مونگیر میں اقامت کرلی۔ اور وہیں ۶ر ربیع الاول ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۳ر ستمبر ۱۹۲۷ء کو بعمر اکیاسی سال بروز شنبہ رحلت فرمائی۔ آپ نے اپنا آبائی مکان موقوعہ احاطہ کمال خاں کانپور کو اپنی ملکیت میں برقرار رکھا بعد میں اسکو خانقاہ رحمانیہ میں وقف کردیا۔ اس کا کرایہ آجتک مولانا کے ورثاء وصول کرتے ہیں۔ مولانا حکیم سید عبدالحئی صاحب نے مولانا سید محمد علی کانپوری کو عالم، فقیہہ اور زاہد کے القابات سے یاد کرتے ہوئے آپ کی گنتی ہندوستان کے مشہور فاضلوں میں کی ہے۔

آپ نے مختصرات مفتی عنایت احمد کاکوروی سے پڑھیں اسکے بعد سید حسین شاہ کشمیری کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیئے۔ آپ نے تمام درسی کتابیں مفتی لطف اللہ علی گڑھی سے پڑھیں حدیث کا درس سہارنپور جاکر احمد علی سہارنپوری سے لیا۔ اور موصوف ہی سے حدیث کی اجازت حاصل کی۔

آپ نے سلسلہ درس وتدریس کا آغاز مسجد دولاری میں کیا اسکے بعد مدرسہ فیض عام میں مدرس ہو گئے اور ایک زمانے تک وہاں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا۔

آپ نے شیخ کبیر حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی[1] سے بیعت کی اور موصوف سے استفاضہ واستفادہ کیا۔ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی نے آپ کو خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اذکار واشغال سے آپکو خصوصی شغف تھا۔

آپ نے حرمین شریفین کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا اور پورے ایک سال تک مکہ مکرمہ میں اقامت گزیں رہے۔ آپ سفر حج سے ۱۳۲۰ھ میں واپسی کے بعد مونگیر چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی۔ آپ نے دوسرا سفر حجاز مونگیر سے کیا اور اس بار حجاز میں دو سال تک مقیم رہے۔ اسکے بعد مونگیر واپس تشریف لائے اور عبادت الٰہی وافادہ خلق خداوندی میں مشغول ہو گئے[2]۔

مولانا محمد اشرف علی تھانوی

مولانا اشرف علی تھانوی کی تاریخ پیدائش ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۱ھ مطابق

---

[1] مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی ولادت ملانواں ضلع ہردوئی میں ۱۲ رمضان المبارک ۱۲۰۸ھ مطابق ۲۲ اپریل ۱۷۹۴ء کو اور وفات گنج مرادآباد ضلع اناؤ میں جمعرات کے دن ۱۲ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۲ ستمبر ۱۸۹۵ء کو ہوئی۔ فضل رحمٰن تاریخی نام ہے مدفن گنج مرادآباد درگاہ خاص ضلع اناؤ۔ عرش منقوط میں یہ سال لکھو + ہو گیا گل چراغ کشور دہر۔ عرش گیاوی، تذکرہ ماہ وسال ص ۲۹۸
[2] ماخوذ از

۱۹ ستمبر ۱۸۶۳ء کو چہار شنبہ کے دن ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم تھانہ بھون میں مولانا فتح محمد صاحب سے حاصل کی اور تکمیل مدرسہ دیوبند میں ۱۲۹۵ھ سے ۱۳۰۱ھ کے اوائل تک مولانا یعقوب صاحب کے حلقہ میں کی۔ فراغت کے بعد آخر صفر ۱۳۰۱ھ میں مدرس ہو کر مدرسہ فیض عام کانپور آ گئے۔ بعض وجوہ کی بنا پر آپ نے دو ماہ بعد یہ ملازمت چھوڑ دی اور تھانہ بھون واپسی کا ارادہ کیا مگر بعد کو مدرسہ جامع العلوم کانپور کی بنیاد پڑ گئی اور مولانا کو یہیں رکنا پڑا۔ آپ نے یہاں چودہ سال تک اپنے درس، مواعظ اور فتاوے سے لوگوں کو مستفید و مستفیض کیا۔ آپ نے حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی وساطت سے ۱۲۹۹ء میں بذریعہ مکتوب غائبانہ بیعت کی لیکن براہ راست کسب فیض دو بار حج بیت اللہ کے دوران کیا۔

آپ نے ۱۳۱۵ھ میں حضرت حاجی امداد اللہ کے مشورہ کے مطابق کانپور سے ترک تعلق کر کے تھانہ بھون میں مستقلاً اقامت اختیار کی اور آخیر وقت تک خانقاہ امدادیہ کی سرداری میں بیٹھ کر افادہ و افاضہ میں مصروف رہے۔ آپ کثیر التعداد تصانیف کے مالک ہیں۔ آپ کی کثیر الاشاعت و مقبول عام تصنیف "بہشتی زیور" ہے جسکے ابتدائی پانچ حصے موصوف نے اپنے خاص شاگرد اور پہلے خلیفہ مولانا احمد علی صاحب فتحپوری[۳۲] کی شرکت میں لکھے۔ اسکے علاوہ تفسیر البیان، شرح مثنوی، فتاوی امدادیہ، التصرف الی التصوف بھی خاص شہرت کی حامل تصانیف ہیں۔

آپ انجمن ندوۃ العلماء کی ابتدائی مشاورتی کمیٹی میں ایک رکن کی حیثیت سے شامل تھے۔ آپ کا انتقال بعارضہ اسہال ۱۵ رجب ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء کی شب میں ہوا۔

مولانا حکیم فخر الحسن گنگوہی

---

[۳۲] واضح ہو کہ یہ اس فتحپور کی طرف نسبت ہے جو بارہ بنگی کی ایک تحصیل ہے۔ راقمین

آپ عبدالرحمن حنفی گنگوہی کے پسرِ ارجمند تھے۔ آپ کا شمار اپنے زمانے کے مشاہیر علماء میں ہوتا تھا۔ آپ فضل و کمال میں مولانا شیخ محمد قاسم نانوتوی کے شاگردوں اور ان کے رفقاء میں نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ آپ نے حکیم محمود بن صادق شریفی دہلوی سے طب کی تکمیل کی تھی۔

آپ ہنس مکھ، شیریں مقال، صدق و صفا کے پیکر، جری شجاع نجیب شکل و صورت کے اعتبار سے دیدہ زیب اور جسم کے اعتبار سے تنومند تھے۔

آپ اپنا زیادہ وقت ہنود و نصاریٰ کے ساتھ مناظرہ میں گذارتے تھے۔ آپ صاحب تصنیف و تالیف بھی تھے۔ آپ نے سنن ابوداؤد پر مفصل حاشیہ لکھا جو تعلیق المحمود کے نام سے مشہور ہے۔ آپ نے تلخیص المفتاح پر بھی حاشیہ لگایا، اور مطب بھی کرتے تھے۔ آپ کا انتقال ۱۳۱۵ھ میں کانپور میں ہوا۔[۱]

مولانا نور محمد پنجابی (صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ فتحپور)

مولانا نور محمد صاحب ایک باعمل عالم، ایک متدین صوفی، ایک متشرع زاہد اور صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ آپ کی پیدائش بمقام شاہ پور (پنجاب) ۱۲۷۳ھ مطابق ۵۷-۱۸۵۶ء میں ہوئی۔ آپ نے بعض ابتدائی درسی کتابیں مولوی عبدالرحمن ولد عبیداللہ ملتانی سے پڑھیں۔ اسکے بعد آپ دہلی تشریف لائے اور مستند عالم عبداللہ ٹونکی سے درس لیا اور یہیں طب کی تکمیل حکیم غلام رضا ابن مرتضیٰ شریفی سے کر کے علی گڑھ کا رخ کیا اور فریدۂ روزگار استاد حضرت مولانا مفتی لطف اللہ ولد اسعد اللہ علی گڑھی سے منقولات و معقولات کی کتابیں پڑھیں۔ آپ نے حضرت مولانا شاہ فضل رحمن

---

[۱] اخذ کردہ از نزہۃ الخواطر ج ۸، ص ۲۷۶

گنج مرادآبادی سے بعیت کی اور آپ کو حضرت نے خلعت خلافت سے سرفراز کیا۔ مولانا ظہورالاسلام صاحب آپ کے پیر بھائی اور ہم درس تھے۔ آپ ایک صاحب کرامت بزرگ تھے۔ آپ کی صرف ایک کرامت ذیل میں رقم کی جاتی ہے۔

مولانا نور محمد صاحب کے جناب حکیم خواجہ محمد زبیر صاحب کے مرحوم والد مولانا شاہ غلام حسین صاحب سے گہرے روابط تھے۔ مولانا جب کبھی کانپور تشریف لاتے تو قیام شاہ صاحب ہی کے یہاں ہوتا۔ مولانا صاحب کا کھانا حکیم صاحب کی والدہ وضو کرکے پکایا کرتی تھیں۔ ایک بار جب آپ تشریف لائے تو وہ بیمار تھیں اسی لئے انھوں نے خادمہ سے وضو کرکے چپاتیاں پکانے کو کہا۔ خادمہ نے عرض کیا۔ میرا وضو ہے ابھی ابھی تو میں نے چاشت کی نماز ادا کی ہے۔ حکیم صاحب کی والدہ نے نیا وضو کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ نوکرانی تازہ وضو کرکے چپاتیاں پکانے لگی۔ اسی دوران حکیم صاحب کی والدہ کی طبیعت کچھ سنبھل گئی۔ وہ مطبخ تشریف لائیں۔ تین پیڑے باقی تھے۔ آپ نے نوکرانی سے ضد کرکے وہ پیڑے لے لئے اور تین چپاتیاں ڈال دیں، جب کھانا مولانا صاحب کے سامنے لایا گیا تو آپ نے چپاتیوں کے چار چار ٹکڑے کئے اور انہیں حاضرین کے مابین تقسیم کردیا اور وہ تین چپاتیاں خود لے لیں جو حکیم صاحب کی والدہ کی پکائی ہوئی تھیں ان دنوں مولانا کے دانت گر چکے تھے وہ چپاتیاں سالن میں بھگو کر کھاتے تھے اور بچے ہوئے سالن کو پی لیا کرتے تھے۔ شاہ صاحب نے چپاتیوں کا سارا قصہ اپنی بیوی سے کہہ سنایا تب بیوی نے من وعن سارا واقعہ بتلایا۔ شاہ صاحب نے مولانا سے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ گھر والی بیمار تھیں اسی لئے انھوں نے صرف تین چپاتیاں پکائی تھیں۔ مولانا نے فرمایا وہ بیمار نہیں ہیں بلکہ حاملہ ہیں جب بچہ پیدا ہو تو اس کا نام خواجہ محمد زبیر رکھنا۔ سات ماہ بعد بچہ پیدا ہوا تو اس کا نام مولانا کے ارشاد کے مطابق خواجہ محمد زبیر رکھا گیا۔ حکیم

زبیر صاحب وہی بچے ہیں۔ اس واقعہ کے راوی خود حکیم زبیر صاحب ہیں۔ انھوں نے یہ واقعہ اپنی والدہ سے سنا تھا۔[۵]

مولانا نور محمد صاحب اپنے پیر کے ارشاد کے مطابق فتحپور تشریف لائے اور یہیں ساری زندگی مدرسہ اسلامیہ شہر فتحپور کی صدر مدرسی میں گذار دی۔ آپ نے زیارت حرمین شریفین کی سعادت بھی حاصل کی۔

آپ ایک جید عالم تھے۔ شروع میں انگریزی تعلیم کے مخالف تھے بعد میں آپ کے رویہ میں نرمی آگئی اور آپ اسلامی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے انگریزی تعلیم کے قائل ہو گئے۔

مولانا کو اشاعت دین، تحفظ اسلام اور اتحاد بین المسلمین سے خصوصی شغف تھا۔ آپ ندوہ کی ابتدائی آٹھ رکنی مشاورتی کمیٹی میں ایک رکن کی حیثیت سے شامل تھے اور اسکے پہلے اجلاس منعقدہ ۱۵ شوال لغایۃ ۱۷ شوال ۱۳۱۱ھ میں شرکاء فتحپور کی ستر اشخاص کی فہرست میں آپ کا نام دوسرے نمبر پر مرقوم ہے۔ ندوۃ العلماء کے دوسرے اجلاس میں ۴۸ فتحپوری چندہ دہندگان کی فہرست میں آپ کا اسم گرامی ساتویں نمبر پر مرقوم ہے۔

آپ کا انتقال ۸ رجب ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۴ فروری ۱۹۲۴ء کو فتحپور میں ہوا اور وہیں آپ کا مزار آنکھوں کے اسپتال کے پیچھے موجود ہے۔

ابھی چند سال قبل آپ کی یادگار میں ایک عالیشان ادارہ نور الہدیٰ کے نام سے قائم کیا گیا ہے۔ اللہ پاک اس ادارے کو حاسدوں کے حسد اور ان کی نظر بد سے بچائے۔

آمین

---

[۵] انٹرویو عالی جناب حکیم زبیر صاحب بتاریخ ۱۱ مارچ ۱۹۹۶ء۔

مولانا احمد حسن پنجابی معقولی (سابق مدرس اول فیض عام کانپور)

آپ کی پیدائش گورداس پور (پنجاب) کے مضافات میں واقع بطالہ بستی میں ہوئی اور وہیں آپ کی پرورش و پرداخت ہوئی۔ آپ نے تحصیل علم کی خاطر علیگڈھ کا سفر کیا اور مفتی لطف اللہ علی گڑھی کی شاگردی اختیار کی۔ تحصیل علم کے بعد اولاً مظاہر العلوم سہارنپور میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ بعد میں مدرسہ فیض عام کانپور آئے اور یہاں مدتوں مدرس اول کی حیثیت سے کام کیا۔ آپ نے کانپور میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اور درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے۔

آپ زہد و اتقا میں خاص مقام رکھتے تھے۔ درس و تدریس کا خاص مشغلہ۔ منطق، حکمت اصول اور کلام کی دقیق کتابوں کا درس دینا آپ کا محبوب شغل تھا۔ آپ متعدد علوم کے دشوار مسائل پر روزانہ پندرہ سے زیادہ درس دیتے تھے۔ اسی لئے آپ کو بواسیر کا عارضہ لاحق ہوگیا، کافی خون نکل گیا لیکن آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ منقطع نہ کیا۔ چنانچہ آپ بہت زیادہ لاغر ہو گئے۔ اطباء نے ترک تدریس کا مشورہ دیا لیکن آپ نے اطباء کی صلاح نہ مانی اور یہی مرض آپ کے انتقال کا باعث بنا۔ آپ نے سلم کی شرح پر مبسوط حاشیہ لکھا۔ آپ نے ایک رسالہ میں امکان کذب اور ذات باری کے لئے اسی امتناع پر مفصل بحث کی ہے۔[۶]

کافی تلاش اور خاصی جد و جہد کے باوجود مولانا کا سن پیدائش دریافت نہیں ہوسکا۔ آپ مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے خاص شاگرد اور ممتاز خلیفہ تھے۔

---

۵ انٹرویو عالی جناب حکیم زبیر صاحب بتاریخ ۱۱ مارچ ۱۸۹۶ء

۶ از نزھۃ الخواطر ج ۸ ص ۴۳

مولانا موصوف معقولات میں امتیازی درک رکھتے تھے، اسلئے معقولی کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ خالق حقیقی نے موصوف کو قوی حافظہ کا مالک بنایا تھا۔ آپ نے حضرت مہاجر مکی سے مثنوی مولانا روم کا درس بھی لیا تھا۔ آپ نے ہندوستان آکر اس مثنوی پر محض اپنی یادداشت سے حاشیہ لگایا جو خاصا وقیع ہے۔ مثنوی مولانا روم کی شرحوں میں سب سے معتبر اور وقیع شرح مولانا احمد حسن ہی کی ہے۔

آپ نے پہلی شادی ایک پنجابی خاتون سے کی۔ ان کی پہلی بیوی سے مولانا کے دو صاحب زادے مولانا مشتاق احمد اور مولانا نثار احمد پیدا ہوئے۔ اول الذکر کو فقہ میں کافی درک حاصل تھا۔ موصوف نے پہلے مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں تدریس کا کام انجام دئیے بعد میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں سالہا سال درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ دوسرے صاحب زادے مفسر قرآن کے لقب سے مشہور تھے اور شاہی مسجد آگرہ کے امام و مفتی کے عہدے پر سرفراز تھے۔ مولانا معقولی کے ان دونوں صاحبزادوں نے منطق و فلسفہ کی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ بقیہ علوم کا اکتساب مولانا غلام حسین صاحب سے کیا جنھوں نے حدیث کی اجازت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے حاصل کی تھی۔ مولانا غلام حسین کو اپنے ان دو شاگردوں پر کافی ناز تھا اور وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرے یہ استاد زادے میرے دو شیر ہیں جو کسی سے نہ جھکیں گے۔

کانپور کی بڑی عیدگاہ موقوعہ بکر منڈی کی امامت مولانا احمد حسن معقولی ہی کرتے تھے۔ مولانا موصوف کے انتقال کے بعد ان کے بڑے صاحب زادے مولانا مشتاق احمد صاحب نے امامت عیدگاہ کے فرائض انجام دئیے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے حافظ امداد احمد صاحب نے عیدگاہ کی امامت کی اور ان کی رحلت کے بعد حکیم خواجہ محمد زبیر صاحب کے بھائی مولانا شاہ محمد یوسف صاحب امام عیدگاہ مقرر ہوئے۔ مولانا غلام حسین صاحب نے

عید گاہ میں صرف دو بار نماز پڑھائی۔ ایک بار صلوٰۃ عید پڑھائی (مسجد مچھلی بازار کے سانحہ میں گولیاں چلنے کے بعد جب علماء کے خلاف گرفتاری کے وارنٹ تھے۔) اور دوسری بار صلوٰۃ استسقاء پڑھائی۔ جب بارش نہ ہونے کی وجہ سے خلائق خداوندی مضطرب و پریشان تھی، استسقاء کی نماز کا اثر نماز کے درمیان ہی میں ظاہر ہونے لگا۔ تھا۔ پہلی رکعت کے رکوع میں بوندا باندی شروع ہو گئی۔ سجدہ میں تیز بارش ہونے لگی۔ اور دوسری رکعت کے سجدہ تک اتنا پانی گر چکا تھا کہ سجدہ زمین پر نہیں بلکہ پانی پر کیا گیا۔

مولانا احمد حسن صاحب نے دوسری شادی ایک کانپوری خاتون سے کی جن کے بطن سے مولانا احسن پیدا ہوئے۔ مولانا احسن کے صاحب زادے حافظ بشیر حسن صابری تھے جن کا انتقال اسی سال ۳ر شوال ۱۴۱۶ھ کو ہوا۔ حافظ شبیر حسن صاحب کے صاحبزادے عاصم ظفر صاحب متشرع نوجوان ہیں۔ راقمین نے موصوف کی ملاقات کا شرف ۱۱ر مارچ ۱۹۹۶ء کو حاصل کیا۔

ان ہی کانپوری خاتون کے بطن سے مولانا کی دو مادینہ اولادیں بھی متولد ہوئیں، بڑی صاحبزادی کا نام آمنہ خاتون تھا جن کی شادی جناب عظیم الدین فریدی صاحب سے ہوئی ان ہی آمنہ خاتون کے بطن سے مولانا کے نواسہ ڈاکٹر مغیث الدین فریدی صاحب پیدا ہوئے جو اردو ادب کے مایہ ناز محقق اور بلند پایہ نقاد ہیں۔ دوسری صاحب زادی کا نام عائشہ خاتون تھا جن کی شادی آگرہ کے امام بخاری کے صاحب زادے محمد قاسم صاحب سے ہوئی۔

مولانا احمد حسن معقولی نے کانپور تشریف لا کر اولاً مدرسہ فیض عام میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ بعد میں بکر منڈی کے مسجد رنگیاں میں دارالعلوم نام سے ایک مدرسہ کھولا۔ جو آپ کی رحلت کے بعد بھی کافی دنوں تک چلتا رہا۔ آپ نے ایک دوسرا مدرسہ اپنے

صاحب زادے مولانا احسن کے نام سے احسن المدارس قائم کیا جو آج بھی چل رہا ہے۔

ان دنوں احسن المدارس دو ہیں قدیم و جدید[۷]۔

آپ نے ندوۃ العلماء کے اجلاس ششم منعقدہ شاہجہانپور بتاریخ ۲۶، ۲۷، ۲۸ مارچ ۱۸۹۹ء اور اجلاس ہفتم منعقدہ پٹنہ بتاریخ ۴، ۵، ۶ نومبر ۱۹۰۰ء کی صدارت کی تھی[۸]۔

مولانا احمد حسن صاحب کا مکان چھوٹا بوچڑ خانہ نئی سڑک میں مسجد رنگیاں کے قریب تھا۔ آپ کا وصال ۳ صفر ۱۳۲۲ھ کو ہوا۔ اور تدفین قبرستان لساطیان واقع بکر منڈی میں ہوئی۔ ایک مسقف کمرے میں آپ کا پختہ مزار واقع ہے۔ کمرے کے دروازے کے بائیں جانب آپ کا مزار ہے اور دائیں جانب آپ کے صاحب زادے مولانا مشتاق احمد صاحب کا مزار ہے۔ باپ کا مزار بیٹے کے مزار سے قدرے اونچا ہے۔ اس کمرے کے باہر قاری امداد احمد صاحب اور حافظ شبیر حسن صاحب کی قبریں ہیں[۹]۔

مولانا حکیم سید عبدالحیی صاحب نے آپ کو امام و علامہ کے القابات سے نوازتے ہوئے جتنی مدح و تحسین آپ کے علوم و ورع آپ کے درس و تدریس آپ کے تواضع و حسن اخلاق، آپ کے صبر و ضبط، آپ کے قناعت و شہرت آپ کے مداومت تدریس آپ کے تعفف و طرح تکلف، آپ کے کثرت انصاف آپ کے حسن معاشرت اور آپ کی وفور عقل کی کی ہے اتنی مدح و تحسین اپنے معاصرین میں سے کسی کی نہیں کی۔ یہاں تک کہ آپ کے متعلق مندرجہ ذیل جملہ بھی لکھ دیا۔

---

[۷] از انٹرویو حکیم خواجہ محمد زبیر صاحب پسر حضرت غلام حسین و ڈاکٹر مغیث الدین فریدی نواسہ مولانا احمد حسن معقولی بتاریخ ۱۱ر مارچ ۱۹۹۶ء [۸] تاریخ ندوۃ العلماء حصہ اول، صفحہ ۲۲۲ و ص ۲۴۸۔

[۹] انٹرویو حکیم خواجہ زبیر صاحب مورخہ ۱۱ر مارچ ۱۹۹۶ء بر مطب نزد چھوٹی عیدگاہ نئی سڑک کانپور۔ راقمین نے ان قبروں کی زیارت کا شرف ۱۱ ۳/ ۹۶ کو حاصل کیا۔ راقمین

انی لا اعلم احداً استغل بالتدریس کما استغل بہ ھذا الحبر؂
میں کسی ایک شخص کو نہیں جانتا جو تدریس میں اس قدر شغل رکھتا ہو جیسا کہ یہ جید عالم

مولانا حکیم سیّد محمد ظہور الاسلام فتحپوری (بانی مدرسہ اسلامیہ فتحپور و بانی انجمن ندوۃ العلماء)

آپ کی ولادت ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۵۸ء میں اپنے ننہال موضع ڈلمئو ضلع رائے بریلی میں ہوئی۔ تحصیل علم کے شوق میں آپ نے مختلف علاقوں اور دور دراز شہروں کا سفر کیا۔ کتب درسیہ مفتی لطف اللہ صاحب علیگڈھی سے پڑھیں اور مولانا عبدالحی انصاری و مولانا عبدالحلیم انصاری لکھنوی اور قاری عبدالرحمن بن محمد انصاری پانی پتی سے حدیث کی سند حاصل کی۔ شیخ فضل رحمن بکری گنج مراد آبادی سے بیعت کی اور خلافت سے سرفراز کئے گئے۔

آپ نے اپنے وطن فتحپور میں "مدرسہ اسلامیہ" نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۳ء میں رکھی اور ۱۸۹۰ء میں اس مدرسہ کے اردو مڈل کو انگریزی مڈل میں بدل دیا۔ اس طرح آپ نے اس مدرسہ کی دو شاخیں بنادیں۔ عربی شاخ اور انگریزی شاخ (جو اس وقت مسلم انٹر کالج کے نام سے مشہور ہے۔) آپ ان دونوں شاخوں کا انتظام و انصرام ایک ہی جیب سے کرتے تھے۔ اسکے علاوہ آپ نے اپنے مدرسہ میں صنعتی تعلیم کا بھی انتظام کیا تھا۔ آپ تحریک ندوہ کے اصل محرک و بانی ہیں۔ آپ تا دم حیات ندوۃ العلماء سے منسلک رہے اور اس کی ترقی کیلئے ہمہ تن کوششیں کرتے رہے۔ آپ نے انجمن ندوۃ العلماء کے جلسہ انتظامیہ منعقدہ ۹ مارچ ۱۹۱۲ء کی صدارت بھی فرمائی۔ لیکن خود پوشی آپکی عادت مستمرہ تھی اس لئے آپ زیادہ تر دوسروں کو آگے بڑھاتے تھے۔ آپ کا یہی معمول مدرسہ اسلامیہ فتحپور میں بھی تھا۔ آپ نے مدرسہ اسلامیہ فتحپور کا مہتمم مولوی محمد رضا کو بنا رکھا تھا۔

؂ نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص ۴۳

اور کافی سالوں تک مدرسہ کو انہیں کے زیر اہتمام چلاتے رہے۔ اسیطرح آپنے انجمن ندوۃ العلما، کا ناظم مولانا سید محمد علی کانپوری کو بنا دیا تھا اور کافی دنوں تک جا ہے ان چاہے طور پر ان ہی سے کام لیتے رہے۔

آپ علوم دینی و دنیاوی دونوں کی تحصیل کے قائل تھے۔ آپ کا منشا، یہ تھا کہ طریق تعلیم ایسا ہو کہ علما، دینی و دنیاوی دونوں میدانوں میں سر بلند ہو کر جی سکیں اور عامۃ الناس کے سامنے دین کی صحیح صورت رکھ سکیں۔ آپنے درس و تدریس کا سلسلہ انتقال سے ایک دن بیشتر تک جاری رکھا۔

آپ کا انتقال شہر فتحپور میں ۲۳ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ مطابق ۴ مارچ ۱۹۲۱ء کو جمعہ کے دن صبح چار بجے بعمر ۶۲ سال (اپنی دلی خواہش کے مطابق) ہوا۔ محلہ فیلدار میں اپنے مکان سے ملحق پیلی مسجد کے جانب پورب واقع قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے۔

منشی مولوی عبد الغفور فتحپوری (ڈپٹی کلکٹر کانپور۔)

منشی عبد الغفور فتحپوری نے ستر برس کی عمر میں ۱۹۳۷ء میں اپنے آبائی مکان موقوعہ محلہ قضیانہ شہر فتحپور میں انتقال کیا۔ موصوف کو کئی سالوں سے ہائی بلڈ پریشر کی شکایت تھی۔ انتقال سے کچھ دنوں پیشتر فالج کا حملہ ہوا اور وہی آپ کی موت کا باعث بنا۔ آپ کا مزار فتحپور کے یوسف کلب روڈ کے دکھن جانب ٹھاکر جگناتھ سنگھ کی کوٹھی کے بالمقابل واقع قبرستان میں آج بھی موجود ہے۔

ڈپٹی صاحب حقیقی برادر کلاں مرحوم حافظ حسین خاں کے حقیقی نواسے نے جن کی پرورش و پرداخت ڈپٹی صاحب نے کی تھی وفات کے وقت آپ کی عمر ستر سال بتلائی ہے۔ اس لحاظ سے آپ کی پیدائش کا سنہ ۱۸۶۷ء نکلتا ہے۔ آپ کی تین نرینہ اور دو مادینہ

اولادیں ہوئیں جن میں سے اس وقت صرف آپ کی چھوٹی صاحب زادی انوری بیگم بقید حیات ہیں۔

مرحوم ڈپٹی صاحب خوش خلق، متواضع، سادہ پوش اور بارعب شخصیت کے مالک تھے عوام میں بابوجی کے عرفی نام سے مشہور تھے۔

دوران ملازمت کانپور، اٹاوہ، گورکھپور اور الہ آباد میں تعینات رہے اور ہر جگہ آپ کا حلقہ احباب ذی علم حضرات پر مشتمل رہا۔

محلہ قضیانہ شہر فتحپور میں آپ کا طویل وعریض مردانہ مکان محل کے نام سے جانا جاتا تھا۔ زنانہ مکان اسکے بالمقابل تھا جو ان دنوں ڈپٹی صاحب کے پوتوں کا مسکن ہے۔ ڈپٹی صاحب کی زندگی میں ان کی رہائشی محل میں اہل علم اور صاحب دانش وبینش حضرات کا اجتماع رہتا تھا۔ شاہ نجم الدین صاحب مولانا ظہور الاسلام صاحب، مولانا نور محمد صاحب مولوی عبدالرزاق کانپوری، ماسٹر بدر الحسن، چودھری باسط یار، عطاء الملک، عبدالقدوس خاں، یاسین حسن الدین خاموش وغیرہ آپ کے فتحپوری حلقۂ احباب کے خاص لوگ ہیں۔

مولانا سید ظہور الاسلام صاحب نے اسی محل میں ڈپٹی عبدالغفور صاحب سے ۱۸۹۱ء میں مذہبی انجمن (ندوۃ العلماء) کی بابت مشورہ کیا تھا اور یہیں اس کا مکمل خاکہ تیار کیا گیا تھا۔[۱۱]

یہ محل ان دنوں کھنڈر کی شکل میں موجود ہے۔ اسکے ایک حصہ پر پختہ مکان تعمیر ہوگیا ہے اس مکان کا نمبر ۳۱ ہے اور ڈپٹی صاحب کی چھوٹی صاحب زادی اسی پختہ مکان میں

---

[۱۱] ازانٹرویو جناب محمد عبداللہ صاحب ولد مرحوم عبدالرب صاحب ومسماۃ انوری بیگم دختر مولوی عبدالغفور ڈپٹی کلکٹر مورخہ ۹ مارچ ۱۹۹۶ء بروز یکشنبہ بوقت ۹ بجے دن بر مکان ۳۱ محلہ قضیانہ فتحپور۔ جناب محمد عبداللہ صاحب نے احاطہ قبرستان سید وشاہ صاحبؒ میں ۸ مارچ ۹۶ء بروز شنبہ کو انٹرویو دینے کی زحمت گوارہ فرمائی۔ راقم۔

اقامت گزیں ہیں۔

مولوی عبدالغفور نے مدرسہ فیض عام کے جلسہ دستار بندی منعقدہ ۱۵ر ۱۶ر ۱۷ر شوال ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۲ر ۲۳ر ۲۴ر اپریل ۱۸۹۴ء میں مبلغ ایکسو روپے کا گرانقدر عطیہ بطور چندہ دیا تھا۔ روئداد جلسہ دستار بندی مدرسہ فیض عام کانپور مع کیفیت ندوۃ العلماء مرتبہ الٰہی بخش مہتمم مدرسہ فیض عام کانپور میں "فہرست نمبر ا چندہ جو متعلق جلسۂ دستار بندی کے اہل ہمت بزرگان نے عنایت فرمایا" کے ذیل میں پہلے نمبر شمار میں آپ کا نام اس طرح درج ہے:

نمبر شمار	اسمار گرامی چندہ دہندگان	تعداد چندہ	کیفیت
۱۔	جناب مولوی عبدالغفور صاحب ڈپٹی کلکٹر کان پور	۱۰۰ر	۱۲

واضح ہو کہ اس فہرست میں مولوی عبدالغفور صاحب فتحپوری واحد شخص ہیں جنھوں نے اتنی خطیر رقم بطور چندہ نقد مرحمت کی۔

دوسرے نمبر پر جناب منشی علیم الدین احمد صاحب رئیس اعظم کلکتہ کا نام مندرج ہے۔ لیکن انہوں نے ایکسو روپے کی رقم نقد نہیں دی بلکہ اتنی رقم عطا کرنے کا وعدہ فرمایا، کیونکہ ان کے نام کے آگے کیفیت کے خانہ میں "وعدہ" مرقوم ہے۔ پوری فہرست میں اور کسی نام کے آگے پچاس روپے سے زائد کی رقم بطور چندہ مندرج نہیں۔

مولوی عبدالرزاق کانپوری آنریری ممبر و روئداد نگار۔

مولوی عبدالرزاق کانپوری کی ولادت ۱۸۶۶ء میں ہوئی۔ آپ کے اساتذہ میں منشی میر امام علی، مولانا ظہور الاسلام فتحپوری، مولانا سید محمد علی کانپوری قابل ذکر ہیں۔ آپ مصنف

[12] روئداد جلسۂ دستار بندی مدرسۂ فیض عام کانپور مع کاکیفیت ندوۃ العلماء منعقدہ ۱۵ر ۱۶ر ۱۷ر شوال ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۲ر ۲۳ر ۲۴ر اپریل ۱۸۹۴ء ص ۸۔ مرتبہ الٰہی بخش مہتمم مدرسۂ فیض عام کانپور۔ مطبوعہ انتظامی پریس کانپور لوح محمد رعد کے نامی پریس کانپور میں مطلا و مجلد ہوئی۔

البرامکہ کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ نے اپنے مشاہدات "یاد ایام" میں جمع کئے ہیں۔ کتاب میں مشمول تاسیس ندوہ کی مختصر تاریخ کے ذیلی عنوان کافی اہم ہیں۔ آپ کی وفات ۱۵ر فروری ۱۹۴۸ء کو ہوئی۔ (تفصیلی مطالعہ کے لئے مقالہ ہٰذا کے صفحات ملاحظہ فرمائیں۔

ضمیمہ نمبر ۲

ندوۃ العلماء کے ابتدائی دور سے متعلق چند اہم باتیں

مع سنین

مذہبی انجمن (جدید کا نام ندوۃ العلماء) کے قیام کا پہلا خیال	دسمبر ۱۸۹۱ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۳۰۹ھ
اس مذہبی انجمن کا تخلیق کار	مولانا سید محمد ظہور الاسلام صاحب فتحپوری
اس انجمن کے قیام کے خیال کا اظہار سب سے پہلے کہاں اور کس نے کیا؟	مولانا سید محمد ظہور الاسلام صاحب فتحپوری نے محلہ قضیانہ شہر فتحپور میں ڈپٹی عبدالغفور کے مکان موسومہ "بہ محل" میں کیا
مولانا ظہور الاسلام کا ڈپٹی عبدالغفور صاحب سے کانپور میں از سر نو مشورہ۔	اغلباً جنوری ۱۸۹۲ء مطابق جمادی الاخریٰ رجب ۱۳۰۹ھ۔
مذہبی انجمن کا نام ندوۃ العلماء رکھا گیا۔	مدرسہ فیض عام کانپور کے جلسہ دستار بندی منعقدہ ۱۸۹۲ء مطابق ۱۳۱۰ھ میں۔ (۲۶ر جولائی ۱۸۹۲ء تا ۱۳ر دسمبر ۱۸۹۲ء مطابق یکم محرم ۱۳۱۰ھ تا ۱۱ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۰ھ)

ندوۃ العلماء کا محرک و بانی۔	مولانا حکیم سید محمد ظہور الاسلام صاحب فتحپوری
ندوۃ العلماء کا ناظم اول۔	مولانا سید محمد علی کانپوری۔
ندوہ العلماء کا پہلا اجلاس۔	۱۵ر شوال لغایۃ ۱۷ر شوال ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۲ لغایۃ ۲۴ر اپریل ۱۸۹۴ء۔ واضح ہو کہ ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس ۲۲ر اپریل ۱۸۹۴ء یوم یکشنبہ ۲½ بجے سہ پہر میں ہوا۔
مولانا عبد الرزاق کانپوری کے اس جملہ کی وضاحت "چنانچہ اس کمیٹی کے ماہانہ جلسے کانپور میں مسلسل دو سال تک ہوتے رہے اور جب ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس کانپور میں ہوا تو کمیٹی مذکور کی تجاویز سے جدید ارکان نے بہت نفع اٹھایا"۔	مذہبی انجمن (ندوۃ العلماء) کی مشاورتی کمیٹی کے تقرر سے ندوۃ العلماء کے پہلے اجلاس کے انعقاد ۲۲ر ۲۳ر ۲۴ر اپریل ۱۸۹۴ء تک کی درمیانی مدت مراد ہے۔ اسطرح ڈپٹی عبد الغفور سے مولانا ظہور الاسلام صاحب کی کانپور والی ازسرنو ملاقات اغلباً جنوری ۱۸۹۲ء میں ہوئی اور ۸ رکنی مشاورتی کمیٹی کی باقاعدہ تشکیل اس ملاقات سے تین ماہ بعد اپریل رمئی ۱۸۹۲ء میں ہوئی اور یوں مدت دو سال ہوتی ہے۔
جلسہ مشاورت مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علیگڈھ	۲۶ر دسمبر ۱۸۹۱ء مطابق ۲۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۰۹ھ
جلسۂ عام مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ۔	۲۷ر دسمبر ۱۸۹۱ء مطابق ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۹ھ

کارآمد ہجری سنین کی عیسوی سنین سے مطابقت

۲؍جنوری سنہ ۱۸۹۲ء۔ یکم جمادی الثانی سنہ ۱۳۰۹ھ

۲۹؍اپریل سنہ ۱۸۹۲ء۔ یکم شوال سنہ ۱۳۰۹ھ

۲۶؍جولائی سنہ ۱۸۹۲ء۔ مطابق یکم محرم سنہ ۱۳۱۰ھ

۳۱؍دسمبر سنہ ۱۸۹۲ء۔ مطابق ۱۱؍جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳۱۰ھ

۱۵؍جولائی سنہ ۱۸۹۳ء مطابق یکم محرم سنہ ۱۳۱۱ھ

۳۱؍دسمبر سنہ ۱۸۹۳ء۔ مطابق ۲۲؍جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳۱۱ھ

یکم جنوری سنہ ۱۸۹۴ء مطابق ۲۳؍جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳۱۱ھ

۸؍اپریل سنہ ۱۸۹۴ء مطابق یکم شوال سنہ ۱۳۱۱ھ

۲۲؍اپریل سنہ ۱۸۹۴ء مطابق ۱۵؍شوال سنہ ۱۳۱۱ھ

۲۳؍اپریل سنہ ۱۸۹۴ء مطابق ۱۶؍شوال سنہ ۱۳۱۱ھ

۲۴؍اپریل سنہ ۱۸۹۴ء مطابق ۱۷؍شوال سنہ ۱۳۱۱ھ

یکم جنوری سنہ ۱۸۹۵ء مطابق ۴؍رجب سنہ ۱۳۱۲ھ

۱۱؍اپریل سنہ ۱۸۹۵ء مطابق ۱۶؍شوال سنہ ۱۳۱۲ھ

۱۱؍اپریل سنہ ۱۸۹۶ء مطابق ۲۶؍شوال سنہ ۱۳۱۳ھ

مولانا ظہور الاسلام، مولانا محمد علی و دیگر علماء کا ندوۃ العلماء ندوہ کیلئے زمین کی تلاش کی خاطر سفر

۱۰؍مارچ سنہ ۱۸۹۸ء مطابق ۱۷؍شوال سنہ ۱۳۱۵ھ

ندوہ کا دفتر کانپور سے گولہ گنج لکھنؤ منتقل ہوا۔ — ۲ر ستمبر ۱۸۹۸ء مطابق ۱۵ر ربیع الآخر ۱۳۱۶ھ

ندوۃ العلماء میں درجہ ابتدائی کا آغاز۔ — ۲۶ر ستمبر ۱۸۹۸ء مطابق ۹ر جمادی الاولیٰ ۱۳۱۶ھ

مولوی سید عبدالحی صاحب مددگار ناظم مقرر ہوئے۔ — ۲۵ر دسمبر ۱۸۹۵ء مطابق ۸ر رجب ۱۳۱۳ھ

ندوہ کے وفد کی فتحپور آمد اور مدرسہ اسلامیہ فتحپور کو برائے تعمیرات مالی تعاون — ۱۱ر جنوری ۱۸۹۶ء مطابق ۲۵ر رجب ۱۳۱۳ھ

انگریزی سکنڈ لینگویج بنائی گئی اور انگریزی مدرس کی تقرری۔ — فروری ۱۹۰۲ء مطابق شوال ۱۳۱۹ھ

مولانا سید محمد علی کانپوری کا ندوہ سے استعفیٰ — ۱۹ر جولائی ۱۹۰۳ء مطابق ۲۳ر ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ

کتابیات

۱۔ اردو میں ادبی نثر کی تاریخ — ڈاکٹر طیبہ خاتون

۲۔ اردو کی تنقیدی تاریخ — سید احتشام حسین

۳۔ ادبی و لسانی تحقیق — عبدالستار دلوی

۴۔ استاد العلماء — حبیب الرحمٰن خاں شروانی

۵۔ اصول فقہ — محمد عبداللہ السعدی

۶۔ اصول الفقہ — زکریا البروسی

۷۔ البرق الامع والنور الساطع — مولانا سید محمد ظہور الاسلام فتحپوری

۸۔ بزم رفتگاں — سید صباح الدین عبدالرحمٰن

۹۔ تاریخ ساز جوانیاں — محمد جاوید خالد

۱۰۔ تاریخ ندوۃ العلماء حصہ اول — مولانا محمد اسحٰق جلیس ندوی

۱۱۔ تاریخ ندوۃ العلماء حصہ دوم — مولوی شمس تبریز خاں

۱۲۔ تاریخ ادب اردو (ترجمہ) — مرزا محمد عسکری

۱۳۔ تاریخ المذاہب الاسلامیہ — محمد ابو اسرہ

۱۴۔ تاریخ ریاست بھوپال — علامہ سید عابد علی وجد الحسینی

۱۵۔ تحریک آزادی میں اردو کا حصہ۔ — معین الدین عقیل

۱۶۔ تحقیق کا فن — ڈاکٹر گیان چند جین

کتاب	مصنف
۱۷- تذکرہ ماہ وسال	مالک رام
۱۸- تذکرہ فضل رحمٰن رح	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
۱۹- التوضیح والتلویح	صدرشریعت سعد تفتازانی. امیر علی
۲۰- جامع فیروز اللغات	مولوی فیروز الدین
۲۱- حسرت موہانی	ثریا حسین
۲۲- حسرت موہانی شخصیت اور فن (غیر مطبوعہ)	ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری
۲۳- حیات عبدالحی	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
۲۴- حیات شبلی	سید سلیمان ندوی
۲۵- حیات سلیمان	شاہ معین الدین احمد ندوی
۲۶- داستان تاریخ اردو	حامد حسن قادری
۲۷- دارالمصنفین اعظم گڈھ کی ادبی خدمات	خورشید نعمانی ردولوی
۲۸- دیوان حسرت موہانی حصہ ششم	بیگم حسرت
۲۹- ڈاکٹر فرمان فتحپوری شخصیت وادبی خدمات	ڈاکٹر خلیق انجم
۳۰- سیرت مولانا محمد علی مونگیری	مولانا سید محمد الحسنی
۳۱- عمادالتحقیق	پروفیسر کلب عابد
۳۲- عمدۃ الرعایہ	مولانا عبدالحی فرنگی محلی
۳۳- فرہنگ آصفیہ	خانصاحب احمد دہلوی
۳۴- الفوز الکبیر	شاہ ولی اللہ دہلوی
۳۵- قاموس المشاہیر	نظامی بدایونی

۳۶۔ متنی تنقید	ڈاکٹر خلیق انجم
۳۷۔ مختصر تاریخ ادب اردو ترمیم شدہ	ڈاکٹر سید عقیل
۳۸۔ کلیات حسرت	مولانا جمال الدین ابن عبد الوہاب
۳۹۔ مختصر تاریخ ادب اردو	ڈاکٹر سید اعجاز حسین
۴۰۔ مشکوٰۃ شریف	ابوالحسن
۴۱۔ موج کوثر	شیخ محمد اکرم
۴۲۔ نزہتہ الخواطر جلد ۸	مولانا سید عبدالحی صاحب
۴۳۔ نوراللغات	مولوی نور الحسن
۴۴۔ یاد ایام	مولوی عبدالرزاق کانپوری
۴۵ یاد ایام	ضیاء الحسن علوی
۴۶۔ یادگار ظہور	حسن الدین خاموش فتحپوری
۴۷۔ یاد رفتگاں	سید سلیمان ندوی

انٹرویو

انٹرویو۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

انٹرویو۔ ڈاکٹر مغیث الدین فریدی

انٹرویو۔ حکیم خواجہ محمد زبیر کانپوری

انٹرویو۔ الطاف حسین خاں شیروانی فتحپوری

انٹرویو۔ محترمہ انوری بیگم دختر ڈپٹی عبدالغفور صاحب
انٹرویو۔ محمد عبداللہ عرف لال میاں۔

رسائل

۱۔ نقوش لاہور آپ بیتی نمبر
۲۔ روئداد مدرسہ فیض عام ۱۸۹۴ء
۳۔ روئداد ندوۃ العلماء ۹۴ء ۹۵ء
۴۔ معارف جولائی ۱۹۴۵ء
۵۔ معارف جولائی ۱۹۶۵ء
۶۔ ناموران علی گڑھ تیسرا کارواں جلد اول۔
۷۔ ریاض کراچی
۸۔ نگار کراچی
۹۔ ثقافت لاہور
۱۰۔ نیا دور لکھنؤ
۱۱۔ روئداد مدرسہ اسلامیہ فتحپور

(ختم شد)